یعنی

اشعار گرد آوردهٔ شیخ علی حزین لاهجی

به امتثال امر

عالیجناب مهاراجه بهادر کشن پرشاد یمین السلطنة دام اقباله

به نشر و تهذیب

اقل العباد مسعود علی بی اے (علیگ)

به دار الطبع جامعهٔ عثمانیه چاپ گردید

سنه ۱۳۴۸ھ
۱۹۳۰ء

حیدرآباد دکن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

—————(؛؛)—————

جس طرح اہل یورپ نے ہمارے ملکوں، ہماری حکومتوں اور ہماری دولتوں پر قبضہ کرلیا ہے اسی طرح وہ ہمارے علمی اور ادبی ذخیروں کے بھی مالک اور قابض ہوگئے ہیں۔ ہندوستان کا کوئی چھوٹا بڑا شہر ایسا نہیں ہے جس کے علمی اور ادبی نفائس اور نوادر چن چن کر یورپ کے کتب خانوں اور عجائب گھروں میں نہ پہنچ گئے ہوں۔ یہ بطور شکایت کے نہیں بلکہ بطور حکایت کے ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان ذخیروں میں سے جو کچھ ہمارے پاس باقی رہ گیا، اس کے رکھ رکھاؤ اور اس سے استفادہ کی قابلیت بھی ہم سے مفقود ہوگئی ہے؛ برخلاف اس کے جو چیزیں یورپ پہنچ گئی ہیں وہ محفوظ ہیں اور ان سے استفادہ کے راستے کھلے ہوئے ہیں، اور اس لحاظ سے ہمارے خیال میں یہ بدقسمتی زیادہ تاسف کے قابل نہیں ہے۔ ہندوستان کے انہیں باقیماندہ

ذخیروں سے بعض اوقات کچھ جواہر پارے نکل آتے ہیں، اور اگر خوش نصیبی سے
ایسے لوگوں کے ہاتھ پڑ جاتے ہیں جو اُن کی قدر و قیمت سے واقف ہوتے ہیں
تو وہ روشنی میں آکر زمانہ کی دست برد سے بچ جاتے ہیں۔ کسے معلوم تھا اور کون
جانتا تھا کہ میرزا صاحب نے قدیم اساتذہ کے کلام کا ایک لاجواب انتخاب
کیا ہے، اتفاقاً ایک دوست کے پاس میں نے اسے دیکھا اور ان سے مستعار
لاکر اپنے استاد مولانا شبلی مرحوم کو دیا۔ مولانا مرحوم اسے دیکھ کر جس قدر خوش
ہوئے اور جس قدر اس کی قدر کی اس کا اندازہ کرنا ایسے لوگوں کے لیے
جنھوں نے بچشم خود یہ منظر نہیں دیکھا نہایت مشکل ہے۔ مولانا مرحوم حیدرآباد
سے کوئی بڑی تنخواہ نہیں پاتے تھے لیکن باوجود اس کے اس پر آمادہ تھے
کہ اگر مالک کتاب اس مجموعہ کے معاوضہ میں الفنا عف وزن میں چاندی
لینا چاہے تو وہ بخوشی دینگے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ نسخہ نہایت خوش خط
اور جا بجا مذہب تھا اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شاہی یا کسی امیر کے
کتب خانہ کے لیے نہایت اہتمام سے لکھوایا گیا ہے، غرض مولانا مرحوم کی
تعریف اور قدر دانی کی شہرت نے حیدرآباد میں اس مجموعہ کی دھوم مچادی،
اور ہر ایسے شخص نے جس کے پاس بڑا کتب خانہ تھا اپنے کتب خانہ میں اس
کی تلاش شروع کی، نتیجہ یہ ہوا کہ عالیجناب نواب سالار جنگ بہادر دام اقبالہ
کے کتب خانہ سے بھی اس کا ایک نسخہ برآمد ہوا اور بعض دوسرے

لوگوں کے پاس بھی اس کا پتہ چلا، اور یہ مردہ تالیف از سر نو زندہ ہو گئی۔
شیخ علی حزیں کے اس سفینہ کی بھی تقریباً یہی کیفیت ہے۔ ایک صاحب
میرے پاس اسے فروخت کرنے کے لیے لائے، میں نے اس کا ذکر
عالیجناب راجہ راجایان سر مہاراجہ بہادر کشن پرشاد یمین السلطنت جی کے، سی،
آئی ای، صدر اعظم باب حکومت و پیشکار سرکار آصفیہ حیدرآباد دکن دام اقبالہ
سے کیا جو شعر و سخن کے دلدادہ اور علم و فن کے بڑے سرپرست ہیں۔ عالیجناب
ممدوح نے اپنی فطری سخاوت اور جبلی مروت سے نہ صرف بائع کی منہ مانگی
قیمت عطا فرما کر اسے خرید لیا بلکہ عام فائدہ کے خیال سے اپنی جیب خاص
سے اس کی طباعت کے لیے بھی ارشاد فرمایا اور شیخ علی حزیں کی سیرت پر ایک
علاحدہ نوٹ تحریر فرما کر عنایت فرمایا جو بطور دیباچہ کے اس کے ساتھ
شریک ہے۔

اہل فن، اس قسم کے انتخابات کے فوائد سے بخوبی واقف ہیں۔ ابوتمام
(متوفی سنہ ۲۳۱ ہجری) اور بحتری (متوفی سنہ ۲۸۴ ہجری) عرب کے مشہور شعرا
گذرے ہیں۔ جنہوں نے اپنی عمر عزیز اس فن کی تکمیل میں صرف کر دی
ہیں اور جن کے اشعار اپنی فصاحت و بلاغت اور حسن الفاظ کے لحاظ سے
سلاسل الذہب کے نام سے موسوم کیے جاتے ہیں لیکن عربی کے عالم ادب کو ان
کے کلام سے اتنا فائدہ نہ پہنچا جتنا کہ ان کے انتخابات یعنی حماسہ ابوتمام

اور حماسہ بحتری سے پہنچا۔ فارسی گو شعرا نے بھی سیکڑوں انتخابات کیے ہیں جو قدیم بیاضوں سفینوں اور مجموعوں میں نظر آتے ہیں لیکن ان میں سے کسی کو بھی وہ شہرت اور ناموری نہ حاصل کی جو ابو تمام کے حماسہ کو حاصل ہوئی، اور جہاں تک میرا علم ہے بجز ایک "خریطۂ جواہر" کے جو حضرت میرزا جانجاناں کا انتخاب ہے کوئی اور ایسا مجموعہ معرض طبع میں بھی اب تک نہیں آیا ہے۔ "خریطۂ جواہر" متوسطین اور متاخرین شعرا کے کلام کا بہترین انتخاب ہے۔

تقریباً تیس سال کا عرصہ ہوتا ہے کہ مولانا الطاف حسین صاحب حالی مرحوم اعلیٰحضرت غفران مآب میر محبوب علی خاں سابق والی ریاست کے جشن چہل سالہ کے موقع پر ان کے عہد کی تاریخ مرتب کرنے کے لیے حیدرآباد بلائے گئے تھے۔ اور سرکاری مہمان کی حیثیت سے نظام کلب میں مقیم تھے۔ مولانا کی آرام و آسائش کی نگرانی میرے سپرد تھی اس لیے مجھے روزانہ مولانا کی خدمت میں حاضر ہونا پڑتا تھا اور کبھی کبھی خود مولانا غریب خانہ پر تشریف لایا کرتے تھے۔ ایک دن مولانا مرحوم میرے یہاں تشریف لائے "خریطۂ جواہر" میز پر رکھا ہوا تھا اُسے اٹھا کر ملاحظہ فرمانے لگے اور میری طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ دہلی اور لکھنؤ کے مذاق شاعری میں جو فرق ہوگیا اس کے کیا اسباب

ہوئے، میں نے عرض کیا کہ اُسے بجز معاشری اور تمدنی ماحول کی تبدیلی کے اور کس چیز پر محول کیا جاسکتا ہے، فرمایا کہ بے شک یہ بھی ایک سبب ہو اگر سب سے بڑا سبب میرزا صاحب کا یہ انتخاب تھا، جو مدت دراز تک دہلی کے شعرا میں دائر و سائر رہا، اسی کا اثر تھا کہ وہ لوگ اساتذہ فن کے جادہ پر چلے اور بیراہ روی سے محفوظ رہے۔ غرضکہ عمدہ اشعار کا انتخاب اور خصوصًا ایسا انتخاب جو ماہرین فن کا کیا ہوا ہو قوم میں شعر کا صحیح مذاق قایم رکھنے اور پیدا کرنے میں بیحد مؤید ہوتا ہے، اس لحاظ سے اس انتخاب کا ایسے وقت میں شایع ہونا کہ ملک کے عام مذاق شاعری میں ایک عظیم تغیر واقع ہو رہا ہے، اور جس میں ارتقا اور ترقی کی امید کے ساتھ ساتھ اس کے تنزل اور خرابی کا اندیشہ بھی لگا ہوا ہے، جیسا کہ ایران میں ہوا، شاید اور زیادہ مفید اور کارآمد ثابت ہو۔

شیخ علی حزیں نے جو تذکرہ یا مجموعہ "مدۃ العمر" کے نام سے جمع کیا تھا وہ اصفہان کے افغانی محاصرہ میں ضائع ہو گیا، جس کا ذکر انھوں نے نہایت افسوس کے ساتھ اپنے "تذکرۃ الاحوال" میں کیا ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ صاحب تمام عمر اس فکر میں رہے کہ اپنے ضائع شدہ تذکرہ "مدۃ العمر" کو کسی طرح پھر زندہ کریں، اور اسی دھن میں انھوں نے تقریباً ۱۱۶۵ھ ہجری میں "تذکرہ شعرائے معاصرین" مرتب کیا، جو ان کے

دیوان کے ساتھ ہندوستان میں طبع ہو گیا ہے۔ اس میں تقریباً ایک سو شعرائے
معاصرین ایران کا ذکر کیا ہے، اس میں بھی شیخ کے تعصب اور بددماغی
کی جھلک صاف طور سے نظر آتی ہے۔ ہندوستان کے بیچارے شعراء
کی کیا حقیقت تھی جو وہ شیخ صاحب کے معاصرین کی محترم فہرست میں داخل
ہو سکتے۔ ایران کے اہل سنت و جماعت شعراء غالباً بر بنائے مذہب
اور شعرائے فرقۂ امامیہ بھی مثلاً واله داغستانی، شہرت شیرازی
قزلباش خاں امید غالباً ہندوستان میں موجود ہونے کی وجہ سے
یکقلم متروک کر دیے گئے ہیں، حالانکہ یہ لوگ کیا بلحاظ قابلیت اور کیا
بلحاظ تعلقات ایسے نہ تھے جو اس بے اعتنائی کے مستحق قرار پاتے۔ مگر
بقول واله داغستانی شیخ صاحب اپنی فطرت اور جبلت سے مجبور تھے۔ تذکرہ
معاصرین کی تکمیل کے بعد شیخ صاحب نے غالباً یہ سفینہ مرتب کیا ہے اس
میں بھی تقریباً سو شعراء کا تذکرہ یا کلام ہے اور بڑا حصہ ان شعراء کا ہے
جن کا نشو و نما شیخ اور اس کے معاصرین سے ایک یا دو پشت قبل، مگر
شاہان صفویہ ہی کے عہد میں ہوا ہے۔ اس سے قیاس یہ ہوتا ہے کہ شیخ صاحب
کا ارادہ تھا کہ اس سلسلہ کو اسی طرح بڑھاتے بڑھاتے اخیر تک لے جائیں
اور اس طور سے اپنے تذکرہ "مدۃ العمر" کو زندہ کر دیں مگر افسوس ہے کہ علالت
اور ضعف بصارت وغیرہ کی وجہ سے اس کا موقع نہ ملا۔ شیخ صاحب کو اخیر عمر

میں ضعفِ دماغ اور ضعفِ بصارت کی شکایت ہوگئی تھی جیسا کہ خود ان کے اس خط سے معلوم ہوتا ہے جو انہوں نے میر شمس الدین فقیر دہلوی کے نام لکھا ہے اور خاقانی کے بعض مستفسرہ اشعار کے معنی بیان کیے ہیں۔ اس ضعفِ پیری میں بھی مزاج میں وہی گرمی باقی تھی، اشعارِ مستفسرہ کے معنی تو بتا دیے ہیں مگر میر صاحب کو خوب آڑے ہاتھوں لیا ہے اور لکھا ہے کہ خاقانی کے دو ایک اشعار کے معنی معلوم کر لینے سے کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا اس کے اشعار کے سمجھنے کی قابلیت پیدا کرنی چاہیے، اور خاقانی کی سخن آفرینی اور اس کے علم و فضل کی بہت تعریف کی ہے اور بتایا ہے کہ اگر اس کا کلام خارج کر دیا جائے تو فارسی کا علم ادب ناقص اور غیر مکمل رہ جاتا ہے۔

سفینۂ ہٰذا کی تالیف کا سال نہ سفینہ میں درج ہے اور نہ مجھے کسی دوسرے ذریعہ سے معلوم ہو سکا۔ شیخ صاحب نے اس سفینہ میں شعرا کا حال نہایت مختصر دیا ہے بلکہ بعض صورتوں میں مطلق کچھ نہیں لکھا ہے صرف ان کے چند اشعار نقل کر دیے ہیں؛ البتہ جہاں تنقید وغیرہ کی وہ ایسی ہے کہ سوائے شیخ صاحب کے اور کوئی شخص اس کی جرأت نہیں کر سکتا تھا، دیکھو بابا فغانی کا تذکرہ، جس میں ملا جامی کے زمانہ کی شاعری کے متعلق اظہار رائے کیا ہے۔ اس تنقید کو جن لوگوں نے نقل کیا ہے وہ

ملا صاحب کے علم و فضل سے مرعوب ہو کر اس جز کو چھوڑ جاتے ہیں جو خود ملا صاحب کے کلام کے متعلق ہے، بہر حال یہ سفینہ مختلف لحاظ سے قابل قدر ہے اور پبلک کو عالیجناب سر مہاراجہ بہادر کشن پرشاد یمین السلطنۃ المتخلص بہ شاد دام اقبالہ کا ممنون ہونا چاہیئے جن کی فیاضی اور علم دوستی سے نہ صرف یہ سفینہ بلکہ اور بیسیوں فارسی اور اردو کی مفید کتابیں طبع ہو چکی ہیں اور ہو رہی ہیں فقط

مسعود علی بی۔ اے (علیگ)
سابق سشن جج سرکار آصفیہ
حال رُکن دار الترجمہ

حیدرآباد دکن
سنہ ۱۹۳۰ء

شیخ علی حزیںؔ

کے

مختصر حالاتِ زندگی

ہندوستان کا ہر ایسا شخص جسے فارسی شعر سے تھوڑا سا بھی لگاؤ یا دلچسپی ہے شیخ علی حزیںؔ کے نام سے واقف اور ان کے کلام سے آشنا ہے۔ شیخ نے خود اپنے حالاتِ زندگی لکھے ہیں اور اس کا نام "تذکرۃ الاحوال" رکھا ہے۔ یہ تذکرہ سنہ ۱۱۵۴ھ م سنہ ۱۷۴۱-۲ء میں لکھا گیا ہے۔ یعنی ان کے ہندوستان آنے سے تقریباً (۲۰) سال کے بعد اور اُن کے دیوان کے ساتھ اور علیحدہ بھی کئی بار ہندوستان میں طبع ہو چکا ہے، اس لحاظ سے شیخ کے مزید حالات لکھنے کی ضرورت نہ تھی، مگر محض اس خیال سے کہ یہ سفینہ بھی اُن کے حالاتِ زندگی اور ایسے واقعات سے جو خود انھوں نے قلم انداز کر دیے ہیں یا جن کو وہ نہ لکھ سکتے تھے خالی نہ رہے۔ مَیں نے شیخ علی حزیںؔ کے مختصر

حالات لکھ کر اس سفینہ کے ساتھ شریک کر دیے ہیں :-

خلفائے بنی امیہ اور بنی عباس اور ان کے وزرار اور امرار کے بعد جن اسلامی سلطنتوں نے علم ادب اور خصوصاً شعر و شاعری کی سرپرستی میں نمایاں ناموری حاصل کی ہے، ان میں ہندوستان کی سلطنت مغلیہ اور ایک حد تک ایران کی سلطنت صفویہ کا نام لیا جا سکتا ہے۔ ان دو سلطنتوں کے دامنِ دولت میں بہت سے شعراء نے پرورش پائی ہے، اور نام آوری اور شہرت کے اعلیٰ مدارج پر پہنچے ہیں، مگر شیخ علی حزیں کے نشو و نما کے وقت یہ دونوں قادر ان سلطنتیں تنزل اور انحطاط کی منزلیں نہایت تیزی کے ساتھ طے کر رہی تھیں۔ شیخ کی پیدائش کے وقت ایران میں شاہ حسین فرمانروا تھا، جسے اس سلسلے کا آخر بادشاہ تصور کرنا چاہیے، کیونکہ اگرچہ اس کے بعد برائے نام دو شخص شاہ طہماسپ اور عباس سوم بادشاہ ہوئے۔ مگر وہ فی الحقیقت نادر کے ہاتھ میں کٹ پتلیوں سے زیادہ نہ تھے۔ شاہ حسین بیحد کمزور دل و دماغ کا فرمانروا تھا۔ ابتدائے حکومت میں اسے مذہب کی طرف بیحد رجحان تھا اور اس کے وقت کا بڑا حصہ عبادات اور تلاوت قرآن میں صرف ہوتا تھا، اس زمانے میں وہ بالکل ملاؤں کے ہاتھ میں تھا، سب سے بڑے مشیر ملا محمد باقر مجلسی تھے انہیں کے ایما سے اسلام کے بعض فرقوں اور خصوصاً صوفیوں کے ساتھ نہایت سخت برتاؤ کیا گیا۔ ان کی خانقاہیں گرا دی گئیں اور وہ سب ملک سے خارج

کردیے گئے۔ اس کے بعد جو رنگ اس پر آیا وہ اس سے بالکل مختلف تھا۔ شاہ حسین کی دادی اور امراء کی ایک زندہ دل جماعت کو بادشاہ کی یہ خشک اور افسردہ زندگی پسند نہ تھی انہوں نے شاہ حسین کو شراب وکباب پر لگا لیا۔ اور اس میں اس قدر افراط ہوگئی کہ اسی سلطنت کے کاروبار کے نام سے نفرت ہوگئی اور یہ اہم کام وزراء اور خواجہ سراؤں کے ہاتھ میں آگیا۔ یہی لوگ جو کچھ چاہتے تھے وہ کرتے تھے کوئی پوچھنے والا نہ تھا۔

اتفاق سے اس زمانہ میں ہندوستان میں جو شخص فرمانروا تھا وہ مختلف حیثیتوں سے ایران کے فرمانروا حسین کا ثنیٰ تھا۔ محمد شاہ رنگیلے کی حکومت تھی اور یہاں بھی سوائے رنگ رلیوں اور عیش وعشرت کے بادشاہ کو کوئی دوسرا کام نہ تھا۔ غرضکہ جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ شیخ علی حزیں نے ایسے وقت دُنیا میں قدم رکھا اور نشو ونما پایا جبکہ یہ دونوں ممالک علم وفضل کی سرپرستی اور قدردانی کے اوصاف بھول چکے تھے۔

شیخ کا مسقط الراس اصفہان ہے جو اہلِ ایران کے نزدیک آب وہوا کی لطافت، آبادی کی فراوانی، اور اہلِ کمال کے اجتماع کی وجہ سے دُنیا کے شہروں میں بے نظیر اور بے عدیل تھا۔ اصفہان کی تعریف میں ایرانی شعراء نے بیحد مبالغوں سے کام لیا ہے۔ ایک کہتا ہے:-

اصفہاں نیمہ جہاں گفتند   نیمہ وصف اصفہاں گفتند

دوسرا کہتا ہے :-

اگر در جہاں اصفہانے نہ بود خدائے جہاں را جہانے نہ بود

حکیم شفائیؔ نے تو اصفہان کی تعریف میں ایک مثنوی ہی لکھ ڈالی ہے۔ وہ فرماتے ہیں :-

گردوں پدر است و مادر ارکاں فرزند بہ از پدر صفاہاں

زاں آب و ہوا تبارک اللہ کافشاندہ اوست جان آگاہ

بر درگہِ ایں جہانِ حکمت یوناں باشد گدائے فطرت

شیخ کی تاریخ پیدائش ۲۷ ربیع الآخر سنہ ۱۱۰۳ھ مطابق ۱۹ جنوری سنہ ۱۶۹۲ء ہے۔ ان کے والد کا نام ابوطالب تھا۔ اسی وجہ سے انہوں نے اپنا نقش نگیں "علی بن ابوطالب" قرار دیا تھا۔ ان کا سلسلہ نسب اٹھارہویں پشت میں تاج الدین ابراہیم سے جا ملتا ہے جو زاہد گیلانی کے نام سے مشہور تھے اور شیخ صفی الدین اردبیلی بانی خاندان صفویہ ایران کے پیر مرشد اور خسر تھے۔ شیخ کا خاندان گیلان میں پہلے استارہ اور بعدہٗ لاہجان میں ایک زمانہ تک رہا کیا۔ شیخ کے والد طالب علمی کی غرض سے اصفہان آئے اور تکمیل تعلیم کے بعد اصفہان ہی میں نکاح کیا اور وہیں رہ پڑے۔ اس خاندان کے لوگ پیرزادے کہلاتے تھے اور شاہان صفویہ کے تمام عہد حکومت میں بڑی وقعت

اور عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے رہے۔ شیخ علی حزیں نے جو کچھ اپنے تذکرۃ الاحوال میں لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے نہایت کم عمری یعنی تقریباً چھ سال کی عمر میں معمولی طور سے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا، اور آٹھ سال کی عمر میں کلامِ مجید اور تجوید کی تعلیم سے فراغت حاصل کر کے صرف و نحو، منطق، فقہ، حدیث، ہندسہ وغیرہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ذہن رسا کی مدد سے بہت جلد معمولی نصاب تعلیم سے فارغ ہو گئے۔ شعر کا ابتدا سے شوق تھا، چنانچہ وہ خود لکھتے ہیں کہ "باکثرت مشاغل تحصیل و وظائف مراشوقے موفور بصحبت مستعدان و موزونان بود و باجمعے ازاں طائفہ مختلط بودم" اس کے بعد اپنی موزونی طبع کی ایک حکایت اس طرح بیان کی ہے کہ "ایک دن میرے والد کے مکان پر ذی علم لوگوں کا ایک مجمع تھا اور مختلف تذکرے ہو رہے تھے کہ ایک شخص نے ملا محتشم کاشی کا یہ مطلع پڑھا ؎

اے قامتِ بلند قداں در کمندِ تو   رعنائے آفریدہ قدِ بلندِ تو

حاضرین میں سے بعض لوگوں نے اس شعر کی بہت تعریف کی مگر والد مرحوم نے فرمایا کہ ملا محتشم کا دیوان میری نظر سے گذرا ہے۔ ان کے استاد ہونے میں کوئی کلام نہیں مگر ان کا کلام بے نمک ہے اور شیرینی بھی اس درجہ کی نہیں ہے کہ وہ اس بے نمکی کا معاوضہ کر سکے۔ کلام میں شیرینی سے زیادہ نمک کی ضرورت ہوتی ہے۔ میری رائے کی تائید خود یہی مطلع کر رہا ہے،

مطلع کا مصرعۂ آخر نہایت درست واقع ہوا ہے لیکن مصرعۂ اول کھٹکتا ہے اس میں اگر لفظ قامت نہ ہوتا اور یوں کہا جاتا "بلند قداں درکمند تو" تو بات ٹھیک ہوتی، حاضرین نے اس کی تصدیق کی بعدہٗ میری طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ تم نے ابھی تک شعر کہنا نہیں چھوڑا ہے اگر تم سے ہوسکتا ہے تو اسی طرح میں کوئی شعر کہو۔ یہ سُن کر معًا میرے ذہن میں ایک مطلع آیا، والد کی نظر دوسری مرتبہ جب میرے چہرہ پر پڑی تو اُن کو معلوم ہوگیا کہ میرے ذہن میں کوئی شعر آیا ہے فرمایا کہ پڑھو پڑھو شرماؤ نہیں۔ مَیں نے یہ مطلع عرض کیا:-

صید از حرم کشد خمِ جعد بلند تو   فریاد از تطاول مشکیں کمند تو

حاضرین جلسہ پر اس کا بہت اثر ہوا اور انہوں نے بہت تعریف کی، وہ انہیں تعریفوں میں تھے کہ میرے ذہن میں دوسرا شعر آیا :-

شد رشکِ طور زآمدنت کوئے عاشقاں

بنشیں کہ باد خوردہ جانہا سپند تو

اس شعر کو سُنکر والد مرحوم بھی بیتاب ہوگئے اور تعریف کرکے ارشاد ہوا کہ جس چیز کی نسبت میں کہتا تھا کہ ملا محتشم کے شعر میں نہیں ہے وہ اس میں موجود ہے۔ اسی اثناء میں مَیں نے تیسرا شعر عرض کیا:-

مشکل شدہ است کار دل از عشق خوش دلم

شاید رسد بخاطر مشکل پسند تو

اسی طور سے تھوڑی تھوڑی دیر میں برابر شعر کہتا گیا یہانتک کہ غزل تمام ہوگئی۔ حاضرین نے کہا اس طریقے سے بدیہہ کہنے کی آج کسی شخص کی مجال نہیں ہے۔ والد نے فرمایا کہ اب تم کو شعر کہنے کی اجازت ہے مگر اسی حد تک کہ اس میں زیادہ وقت ضایع نکرو۔ اور اپنا قلمدان اس غزل کے لکھنے کے لیے عنایت فرمایا"

غرضکہ یہیں سے شیخ کی باضابطہ شاعری کا آغاز ہوتا ہے شیخ کے والد کے عزیز و اقارب، اور ان کی جائداد لاہجان میں تھی، اپنے اعزہ سے ملنے اور جائداد کا انتظام کرنے کے لیے شیخ کے والد نے لاہجاں کا سفر اختیار کیا اور بیٹے کو اپنے ساتھ لے گئے۔ یہ شیخ کا پہلا سفر تھا اور کچھ ایسی گھڑی شروع ہوا تھا کہ اس سے ایک مدت دراز تک انہیں امن اور راحت نہ نصیب ہوئی۔ اس سفر میں جن جن علما اور فضلا سے ملنے کا موقع ملا تھا انہیں شیخ نے نام بنام بتایا ہے۔ اس سفر سے علاوہ دوسرے فائدوں کے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ تحصیل علم کے شوق میں اضافہ ہوگیا، اور شیخ نے اصفہان واپس ہوکر تفسیر، فقہ، الہیات اور طب وغیرہ کی کتابیں وہاں کے مشہور اساتذہ سے پڑھیں، اور ان عیسائیوں اور یہودیوں کی صحبت میں رہکر جو بہ تعداد کثیر اصفہان میں مقیم تھے تورات اور انجیل اور اُن کی دوسری مذہبی کتابیں دیکھیں، اور اہل اسلام کے مختلف فرقوں سے

عقائد پر غور کیا، اور اکثر رسائل حواشی اور تعلیقات لکھے، اور اپنا پہلا دیوان مرتب کیا۔ اسی زمانہ میں بعض احباب شیراز جارہے تھے شیخ نے اپنے والدین سے اجازت لیکر ادھر کا قصد کیا اور وہاں کے علما اور فضلا سے بعض کتابیں تمام کیں۔ شیراز ہی کے ایک دوست میرزا ابوطالب شولستانی کی تحریک پر شیخ نے جمال الدین عبدالرزاق اور اُن کے بیٹے کمال الدین اسمٰعیل کی شاعری کا محاکمہ ایک مشہور قطعہ میں کیا ہے۔ بحث یہ تھی کہ باپ بیٹے میں بہتر کہنے والا کون شخص ہے۔ شیخ کی رائے سے بحث نہیں مگر یہ قطعہ خود شیخ کی قادر الکلامی کی ایک بین دلیل ہے۔ وقعات جس صفائی اور لطف سے بیان کیے گئے ہیں وہ قابلِ داد ہیں۔ ناظرین کی دلچسپی کے خیال سے اس کے بعض اشعار یہاں نقل کیے جاتے ہیں:۔

دوش از بر یارے کہ دلم شیفتۂ اوست | وز شرح کمال خردش ناطقہ لالست
آمد ببرم قاصد فرخندہ سرشتے | با نامۂ عذبے کہ اگر آب زلالست
نثرش نتواں گفت کہ سلکیست ز گوہر | ہر سطری ازاں در نظرم عقدۂ لالست
بکشودم و برخواندم و سنجیدہ و دیدم | کز بندہ رہی حاصل آن نامہ سوالست
کامروز دریں ناحیہ عاشق سخنا نرا | غوغا بسر شعر جمالست و کمالست
القصہ دریں مسئلہ یاراں دو گروہند | در حجت ترجیح یکے زیں دو جدالست
ایں شعر پدر ساورد آں شعر پسر را | یکسو نشد ایں مشغلہ امروز دو سالست

راضی شده اند آنهمه یاران مجادل — کز کلک تو حکمی که رسد وحی ثناست
بگشاد پے پاسخ سنجیده پر خویش — سیمرغ خیالم که سپهرش ته پاست
مجموعهٔ آں هر دو بدقت نگرستم — گر معجزه گفتن نتواں سحر حلالست
دیدم که دوات و قلم آں دو شهنشاه — در مملکت شوکتشاں کوس دو دواست

شعر شعرائے که قرینند بایشاں — نسبت بگهر سنجی آں هر دو سفاست

هر صفحه ز مشکیں رقم آں دو گهر سنج — چوں عارض خوباں همه خط و همه خالست
اما چو کسے دیدهٔ انصاف کشاید — ایں مطلع من آئینهٔ شاهد حالست
در شعر جمال ار چه جمالے بکمالست — اما نه بزیبائی ابکار کمالست

صد بار ز سر تا سر دیوانش گذشتیم — لیلی است که تا سر بقدم غنج و دلالست

استاد سخن گرچه جمالست و لیکن — تکمیل بهاں طرز و روش کار کمالست

ایں نامه نوشتم بشب هفتم شوال — ماه اینکه هزار و صد و سی و دو بپاست

شیراز ہی میں شیخ نے نوادر اور نفائس کا ایک مجموعہ تیار کرنا شروع

کیا جس کا نام "مدۃ العمر" رکھا تھا۔ ۱۱۳۰ھ تک اس میں تقریباً سات ہزار شعر جمع ہو گئے تھے۔ مگر اسی سال اصفہان کا سانحہ پیش آیا (جس کا ذکر آئندہ آئیگا) اور ان کی دوسری کتابوں کے ساتھ وہ بھی ضایع ہو گیا۔ شیخ کا بیان ہے کہ اگر وہ تمام ہو جاتا تو وہ اس قابل ہوتا کہ قدردان سلاطین کے خزانوں میں رہے۔

شیخ شیراز ہی میں تھے کہ اُن کے والد کا ایک خط اُنہیں ملا جس کے عنوان میں یہ رباعی تھی:۔

در دل ز فراق خستگیہا دارم | درکار ز چرخ بستگیہا دارم
با این ہمہ غم، تو نیز پیمان وفا | مشکن، کہ جز این شکستگیہا دارم

بڈھے باپ کے اشتیاق نے بیٹے کو بیتاب کر دیا۔ اور شیخ براہ یزد روانہ ہو کر اصفہان پہنچے اور اپنے والدین کی زیارت سے مشرف ہو کر علمی مشاغل میں مصروف ہو گئے۔ شیخ کے والدین اور عزیز اقارب کی خواہش تھی کہ شیخ تاہل اختیار کریں مگر وہ اس پر راضی نہ ہوئے۔ اسی زمانہ میں انہوں نے بعض رسالے مثلاً توفیق (شریعت اور حکمت میں توافق) ابطال تناسخ وغیرہ تصنیف کیے، اور دس ہزار اشعار کا اپنا دوسرا دیوان مرتب کیا زندگی آرام سے گزر رہی تھی کہ زمانے نے اپنے معمول کے مطابق کروٹ لی اور اس خاندان کے شیرازہ جمعیت کو درہم برہم کر دیا۔ ۱۱۲۷ھ میں

شیخ کے والد نے تین بیٹے چھوڑ کر انتقال کیا۔ جن میں سب سے بڑے خود شیخ تھے، اس کے دو سال کے بعد ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ شیخ نے اپنے والد کے انتقال پر جو مرثیہ لکھا ہے اس کے بعض اشعار یہ ہیں:۔

سپہر از مرگت اے صاف حقیقت بے صفا گشتہ   نمی ماند بسر کیفیتے مینائے خالی را
کشیدی تا زمن دستِ نوازش اے چمن پیرا   مثل چوں بید مجنوں گشتہ ام آشفتہ حالی را
تو در پیرانہ سر رفتی و من ہم در غمت پیرم   بحسرت میکنم ہر لحظہ یاد خرد سالی را

. . . .

بدل آہ رسائے دارم از مجموعۂ دانش   ز خاطر بردہ ام یکبار مصرعہائے خالی را

شیخ سے دل و دماغ کے شخص کے لیے، یہ صدمات ناقابلِ برداشت تھے۔ شیخ نے دونوں چھوٹے بھائیوں کو دادی کی آغوش پرورش میں چھوڑ کر پھر شیراز کا رُخ کیا، اور اس شعر پرور شہر میں رہ کر اپنا تیسرا دیوان تقریباً چار ہزار اشعار کا مرتب کیا۔ اس مرتبہ شیراز شیخ کو زیادہ زمانہ تک نہ روک سکا، قدیم دوست مر چکے تھے اور قدیم صحبتیں درہم برہم ہو چکی تھیں۔ پس ماندگان وطن کی یاد پھر وطن کھینچ لائی۔ شیخ کے خاندان کی جو جائداد لاہجان میں واقع تھی اور جس پر کل خاندان کی معیشت کا دارو مدار تھا اس کی آمدنی ان کے چچا کے انتقال اور ملازمین کی بد دیانتی کی وجہ سے گھٹتے گھٹتے بالکل موقوف ہو گئی اور بسر بُرد کا ذریعہ

محض موجودہ سرمایہ پر رہ گیا۔ زندگی اس پریشانی میں بسر ہو رہی تھی کہ زمانہ نے ایک نیا گل کھلایا۔ ایران کے لوگ مدتوں امن و امان کی حالت میں رہنے سے آرام طلب اور عیش پسند ہو گئے تھے۔ شاہ حسین ایک غافل اور کمزور بادشاہ تھا۔ گرد و پیش کی سلطنتوں اور قوموں کو ایران پر حملہ کرنے کے لیے اس سے بہتر اور کونسا موقع مل سکتا تھا۔ چنانچہ ترکوں نے عراق عرب اور روسیوں نے گیلان کی طرف قدم بڑھایا، اور قندہار کے افغانوں کے ایک سردار محمود نامی نے دارالسلطنۃ اصفہان کا محاصرہ کر لیا۔ شیخ علی حزیں چاہتے تھے کہ اصفہان چھوڑ کر مع اپنے متعلقین کے کسی طرف نکل جائیں۔ مگر عزیز و اقارب مانع ہوئے اور یہ امیدیں دلاتے رہے کہ عنقریب محمود کو محاصرہ سے دست بردار ہو جانا پڑیگا مگر یہ توقع پوری نہ ہوئی اور چار مہینے کے محاصرہ کے بعد اصفہان فتح ہو گیا۔ محمود کی پادشاہت کا اعلان کیا گیا اور شاہ حسین قید ہو گیا۔ محاصرہ کے اخیر زمانہ میں شیخ خود سخت بیمار ہو گئے تھے اور ان کے دونوں بھائیوں اور دادی کا انتقال ہو چکا تھا، گھر میں دو تین خادمہ اور شیخ کے سوائے کوئی اور باقی نہ رہا تھا۔ شیخ کی بیماری میں جب کسی قدر تخفیف ہوئی تو وہ اپنے بعض دوستوں کی مدد سے بھیس بدل کر اصفہان میں محمود کے داخلے سے چند روز پیشتر باہر نکل گئے۔ اور گرد و نواح کے قصبات میں بسر کر کے بمشکل خوانسار ہوتے

ہوئے خرم آباد پہنچے۔ ملک علی مردان خاں وہاں کا حاکم اور شیخ کا دوست تھا اس کے پاس تقریباً دو سال رہے۔ جب خرم آباد کے لوگ ترکوں کے حملے کے خوف سے شہر چھوڑ کر بھاگ گئے تو شیخ کو بھی خرم آباد چھوڑنا پڑا۔ خرم آباد چھوڑ کر شیخ نے ہمدان کا رُخ کیا جو ترکوں نے فتح کرلیا تھا، یہاں پہنچکر شیخ نے بڑا کام یہ کیا کہ ترکوں کے عہدہ داروں سے مل کر قیدیوں کی ایک بڑی جماعت کو رہا کرا دیا۔ بعدہٗ نہاوند، ذرفول، شوستر کرمانشاہ، بغداد، کربلا معلی، نجف اشرف، کاظمین، مشہد، کردستان آذربائیجان، گیلان، اور مکہ معظمہ اور بحرین وغیرہ کی سیر سیاحت میں شیخ کی عمر کے تقریباً دس سال صرف ہوئے۔ ان میں سے بعض مقامات میں قیام کے متعلق چند امور قابل بیان معلوم ہوتے ہیں۔ کرمانشاہ کا سفر شیخ نے ترکوں کے لشکر کے ساتھ کیا تھا، راہ میں بیماری، ناتوانی اور شدت سرما سے سخت تکلیف اٹھائی۔ اس سفر میں شیخ کی ملاقات احمد پاشا سر لشکر اور فوج کے دوسرے سرداروں سے ہوگئی تھی، انہوں نے شیخ کی بہت تعظیم و تکریم کی، انہیں میں عبید اللہ ترکی لشکر کے قاضی تھے۔ ان کی نسبت شیخ صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ صاحب مملکت روم میں علم و فضل میں بہت مشہور تھے، اور میرے ساتھ بہت محبت کرنے لگے تھے۔ مجھ سے ان سے اکثر علمی تذکرے ہوا کرتے تھے مگر

میں نے انہیں باوجود ریاست اور جاہ و اعتبار کے بیحد فرومایہ اور علم سے بیگانہ پایا' ان کا سرمایہ علمی صرف چند مسائلِ فقہ حنفیہ تک محدود تھا' اس قوم کے مشہور سے مشہور علما کو میں نے ایسا ہی پایا........ کرمانشاہ کے قیام ہی کے زمانے میں شیخ نے رسالہ مفرح القلوب مجربات طبیہ اور رسالۂ تجرد نفس لکھا۔ نجف اشرف کی زندگی شیخ کو بہت پسند آئی۔ ان کی تمنا تھی کہ وہ ایک کلام مجید اپنے ہاتھ سے لکھیں' اس کی تکمیل کا موقع انہیں نہیں ملا اور جو نسخہ انہوں نے لکھا وہ روضۂ مبارک میں رکھوا دیا۔ جس زمانے میں شیخ مشہد پہنچے شاہ طہماسپ صفوی بھی وہاں موجود تھا جس نے اپنے باپ شاہ حسین کے معزول ہو جانے کے بعد اپنی شاہی کا اعلان کیا تھا۔ شیخ کی شہرت اس زمانہ میں اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ شاہ طہماسپ انسے ملنے کے لیے ان کے قیامگاہ پہ آیا اور بہت اعتقاد اور محبت سے ملا۔ اسی زمانہ میں نذر قلی بیگ افشار ابیوردی جس نے بعدۂ نادرشاہ کے نام سے عالمگیر شہرت حاصل کی شاہ طہماسپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اپنی فطری لیاقت اور خدا داد قابلیت سے سلطنت کے کاروبار میں دخیل ہو گیا۔ نادر' شاہ طہماسپ اور اس کے امرا اور ارباب مناصب کو جو اس کے راستہ میں حایل تھے اچھی نظروں سے نہیں دیکھتا تھا۔ اور شاہ طہماسپ کے

مشیروں پر خاص نظر رکھتا تھا۔ شیخ اگرچہ باضابطہ طور سے زمرۂ امرائے دولت یا ارباب مناصب میں شریک نہ تھے تاہم خاندان صفویہ کے بڑے ہمدرد اور بہی خواہ تھے اس خاندان کا شیخ نے جن الفاظ میں ذکر کیا ہے اُن سے بوئے محبت اور دلسوزی آتی ہے، ممکن ہے کہ اس زمانہ میں شیخ صاحب بادشاہ کے بعض معاملات میں مشیر کار بھی ہوں۔ شیخ نے اس زمانہ میں رسالۂ رموز کشفیہ اور اپنا چوتھا دیوان مرتب کیا اور بوستان سعدی کے طرز پر ایک مثنوی لکھنی شروع کی جس کا نام "خرابات" رکھا، اس میں شیخ نے بادشاہ کو مخاطب کرکے بہت سی نصیحتیں کی ہیں۔ اگرچہ بصراحت شاہ طہماسپ کا نام نہیں ہے مگر قرینہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کا تخاطب شاہ طہماسپ سے تھا، شیخ نے منجملہ اور نصیحتوں کے بڑا زور عقلا کی صحبت اختیار کرنے پر دیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

خرد پروراں را خریدار باش — تن تیرہ سفلہ گو خوار باش

بپرور دل و عقل مشکل کشائے — و دانش پژوہان باہوش ورائے

بہ تدبیر سنجیدگاں کار کُن — ز مغز خرد سر گرانبار کُن

بروشن روانی بر آورد سے — کہ یک مرد دانا بہ از عالمے

....

بگیرائے نکو کار عبرت سگال — عیار حریفان بخو خصال

بصورت ہمہ آدمی پیکر اند   بسیرت بسے کم زگاؤ خر اند

کسی تذکرہ یا تاریخ سے اس کا پتہ نہیں چلتا کہ پادشاہ پر اس نصیحت کا کیا اثر ہوا البتہ اس قدر خود شیخ کے بیان سے مترشح ہوتا ہے کہ جب شاہ طہماسپ مشہد سے اشرف افغان کے مقابلہ کے لیئے نکلا ہے تو شیخ بطور رفیق کے اس کے ساتھ تھے۔ اور جب بادشاہ افغانوں کے چلے جانے کے بعد اصفہان میں دوبارہ آکر مقیم ہوا اس وقت شیخ اس کے صلاح اور مشوروں میں شریک رہا کرتے تھے۔ نادر اور طہماسپ میں کشمکش شروع ہو چکی تھی، ممکن نہیں کہ نادر کو یہ سب حالات نہ معلوم ہوں۔ ایسی حالت میں نادر کا شیخ سے کھٹکتے رہنا اور شیخ کا نادر کو باوجود اس کی نمایاں ملکی خدمتوں کے پسندیدہ نظر سے نہ دیکھنا کچھ تعجب انگیز نہیں سمجھا جا سکتا۔ نادر کا برتاؤ خاندان صفویہ کے ساتھ خواہ کیسا ہی رہا ہو مگر اُس نے اپنے ملک کو جس طرح افغانوں، ترکوں اور روسیوں کے ہاتھ سے بچا لیا۔ وہ یقیناً قابلِ قدر اور ستایش تھا مگر شیخ پر اس کا کوئی اثر نہیں معلوم ہوتا ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نادر کی مزید ناخوشی کے خیال سے شیخ نے باوجود شاہ طہماسپ کے اصرار کے اس کی صحبت سے جہاں تک ممکن ہوا الگ رہنا پسند کیا جیسا کہ اُن کے قطعہ ذیل سے ظاہر ہوتا ہے :—

ایں قطعہ در جواب اشتیاق نامۂ پادشاہ مغفور شاہ طہماسپ ثانی صفوی ست

اے صاحبے کہ از اثر رنگ و بوئے تو — خون کرشمہ در جگر گلستاں کنم
گنجینۂ ضمیر کشایم بمدح تو — دست و دلِ نیاز جواہر فشاں کنم

....

از اعتدال طبع تو گر سر کنم سخن — صد گل بدامن تہی مہرگاں کنم
نگذاشت جوش عشق خجلت کف مرا — تا خامہ در ثنائے تو رطب اللساں کنم
از گردش زمانۂ ناساز شد ضرور — چندی وداع بزم توائے قدرداں کنم
از صبر ہیزند دل مغرور لا فہا — خواہم کہ خویش را بفراق امتحاں کنم

۱۱۴۵ھ میں شیخ نے حج کیا، مگر بظاہر مدینۂ منورہ نہیں گئے اور جب وہ اس سفر کے بعد بندر عباس پہنچے تو اُن کو معلوم ہوا کہ نادر نے شاہ طہماسپ کو معزول کر کے اُس کے دو مہینے کے بچے شاہ عباس کو تخت نشین کیا ہے اور خود تمام سفید و سیاہ کا مالک ہے۔ شیخ کا بیان ہے کہ جب وہ بندر عباس سے بقصد اصفہان روانہ ہوئے تو راہ میں جس قصبہ یا قریہ سے گزر ہوتا تھا، رعایا جوق جوق آکر حکام کے ظلم و زیادتی کی شکایت کرتی تھی اور مدد چاہتی تھی، یہی حالت قصبۂ لار تک برابر پیش آتی رہی۔ لار کے قیام میں ایک ایسا واقعہ پیش آگیا کہ شیخ کو مجبوراً ایران چھوڑنا

پڑا اس کی تفصیل یہ ہے کہ نادر کے تسلط کے زمانہ میں ملک کا جو جدید انتظام ہوا اس میں لار کا حاکم ولی محمد خاں مسرور مقرر کیا گیا، اس کے ساتھ چار سو سپاہی اور بہت سے نوکر چاکر تھے چونکہ اس وقت ایران کی مالی حالت نہایت ابتر تھی اس لیے حکم یہ دیا گیا کہ حاکم اور سپاہیوں کے خورو نوش کے روزانہ مصارف لار کی رعایا سے وصول کیے جائیں، رعایا جو افغانوں کی لوٹ مار اور راستوں کی بدامنی سے پہلے ہی شکستہ حال اور مبتلائے قحط اور گرانی تھی، اس بار گراں کو بمشکل برداشت کر سکتی تھی، اس پر طرّہ یہ ہوا کہ ایک دوسرا عہدہ دار اضافہ محصولات کے لیے بھیجا گیا اور رعایا کو حکم دیا گیا کہ وہ ہر گھر سے ایک سپاہی سازو سامان کے ساتھ مہیا کرے جسے امیر بلدہ کی رکاب میں رہ کر بلا کسی تنخواہ کے کام کرنا ہوگا۔ لوگ ان سختیوں سے نالاں تھے اور شیخ کے پاس آکر شکایتیں کرتے تھے۔ شیخ عمّال کو سمجھاتے اور ملامت کرتے تھے مگر اس کا کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔ رفتہ رفتہ اس کشمکش کا نتیجہ یہ ہوا کہ رعایا نے بغاوت کر کے حاکم قصبہ کے مکان پر حملہ کیا اور ولی محمد خاں مسرور مع اپنے چند غلاموں کے مارا گیا۔ اور گرد و نواح کے قصبات اور دیہات میں بدامنی پھیل گئی۔ جب اس کی خبر محمود خاں بلوچ کو پہنچی جو نادر کی طرف سے فارس کا حاکم تھا تو وہ قصبۂ جہرم کا محاصرہ چھوڑ کر لار آیا۔ لاریوں نے اس کا مقابلہ کیا مگر

کامیابی نہ ہوئی آخر کار انہیں لار چھوڑ کر بھاگ جانا پڑا۔ جہرم میں جو بغاوت ہو رہی تھی اس کا بانی مبانی عبدالغنی جہرمی تھا جو شیخ کا بڑا دوست تھا، یہ سب حالات ایسے تھے جن سے حکام کو شیخ کی طرف سے بدگمانی کا پورا موقع تھا، چنانچہ وہ ملک کے اس حصہ کی بدنظمی کا شیخ کو ذمہ دار قرار دیتے تھے۔

شیخ لار سے نکل کر بندر عباس اور جیرون ہوتے ہوئے بہ تغیر لباس محفہ میں بیٹھکر کرمانشاہ پہنچے اور گوشہ نشینی اختیار کی، سب سے ملنا جلنا چھوڑ دیا مگر چند روز میں شیخ کی آمد کا حال سب کو معلوم ہوگیا، علاوہ اس کے شیخ کو یہ خبر ملی کہ نادر نے ترکوں کو شکست دیکر بغداد سے ہٹا دیا ہے اس خیال سے کہ شاید اب انہیں کربلا، اور نجف اشرف جانے کا راستہ مل جائے، وہ پھر بندر عباس آئے مگر اس وقت بھی راستہ نہ ملا، اور بندر عباس میں بھی حکام کی بدگمانیوں کی وجہ سے قیام ممکن نہ تھا۔ ناچار ۱۰ رمضان ۱۱۴۶ھ کو بقصد ہند روانہ ہوئے۔

بیس بائیس دن کے سفر کے بعد جہاز ٹھٹھہ پہنچا۔ شیخ کا بیان ہے کہ "میں نے ارادہ کرلیا تھا کہ میں ہندوستان میں اس طرح رہونگا کہ کوئی شخص میرے نام اور حالات سے مطلع نہ ہونے پائے، مگر بسم اللہ ہی غلط ہوئی۔ ٹھٹھہ میں جس دن میں پہنچا اسی دن بعض ایرانی تجار اور خوش باشوں کو اطلاع ہوگئی، اور میری پوشیدہ رہنے کی خواہش اس ملک میں کسی جگہ بھی نہ پوری ہونے پائی۔ اگر میری یہ خواہش پوری ہوجاتی تو جو مصائب اور تکلیفیں مجھے اس ملک میں لوگوں کے

ملنے چلنے سے اُٹھانی پڑیں ان سب سے میں بچ جاتا۔ میری زندگی کا جو حصہ اس ملک میں بسر ہوا اسے میں زندگی میں محسوب نہیں کرتا۔ اس ملک اوراس کے باشندوں کے جو حالات اور اوضاع سُنتے تھے وہ سب میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیے' بلکہ وہ امور بھی دیکھ لیے جو کبھی میرے خیال میں بھی نہ آئے تھے۔'' غرض کہ شیخ چند روز ٹھٹھہ اور خدا آباد میں بیمار پڑے رہے اور جب طبیعت کسی قدر سنبھلی تو ذریعہ کشتی بھکر اور بھکر سے ملتان آئے اور یہاں کچھ ایسے اسباب پیش آگئے کہ شیخ کو دو سال کامل قیام کرنا پڑا۔ یہاں بھی شیخ بیمار ہی رہے مگر اس زمانہ میں انہوں نے کنہ المرام قضا و قدر کے متعلق ایک رسالہ لکھا اور بعض دوسرے رسالے تصنیف کیے جن کے نام شیخ نے نہیں بتائے ہیں۔ جب بیماری سے کسی قدر افاقہ ہوا تو لاہور کا قصد کیا اور تین مہینے وہاں ٹھہر کر شاہجہاں آباد گئے وہاں ایک سال قیام کرکے پھر لاہور اس ارادہ سے آئے کہ کابل اور قندھار کے راستے سے ممالک خراسان میں پہنچکر کسی مقام پر عزلت گزیں ہوجائینگے مگر لاہور پہنچکر معلوم ہوا کہ نادر قندھار کے محاصرہ میں مصروف ہے اور راستہ میں امن نہیں ہے۔ طبیعت ناساز تھی اور برسات کا موسم سر پر آگیا تھا اس لیے کسی طرف جنبش نہیں ہوسکتی تھی۔ شیخ کو لاہور ہی میں یہ خبر ملی کہ کہ نادر جو شاہ عباس طہماسپ کے نابالغ بیٹے کو معزول کرکے خود ایران کا

بادشاہ ہو گیا تھا کابل کے فتح کے بعد ہندوستان آرہا ہے۔ اس خبر نے شیخ کو سخت قلق اور اضطراب میں ڈال دیا۔ "نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن" غرضکہ سوچ سانچ کے یہی رائے قرار پائی کہ پھر شاہجہاں آباد جانا چاہیے اس رائے کے مطابق عمل کیا اور بہزار خرابی اور دقت لاہور سے شاہجہاں آباد آکر گوشہ نشین ہو گئے۔ شاہجہاں آباد میں نادر کا آنا اور شاہجہاں آباد کے باشندوں کے قتل کا ہنگامہ سب شیخ کی آنکھوں کے سامنے ہوا۔ نادر کی واپسی کے بعد شیخ ایک عرصہ تک شاہجہاں آباد ہی میں رہے، مگر انہوں نے اپنے تذکرۃ الاحوال میں وہاں کے علماء، فضلاء اور شعراء کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ ہندوستان کے حالات شروع کرتے ہی انہوں نے اپنا وہ طریقہ جو ایران کے قصبات تک کے لیے مخصوص تھا بالکل چھوڑ دیا ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اِس ملک کے آدمیوں کو اس قابل نہ سمجھتے تھے کہ ان کا تذکرہ اپنے تعلقات کے سلسلے میں کیا جائے، حالانکہ ان میں سے بعض اشخاص اور امراء ایسے تھے جنھوں نے ان کے ساتھ بیحد عقیدت کا اظہار کیا تھا اور ان کے ساتھ بحسن سلوک پیش آئے تھے، اور اس لحاظ سے ضرور قابلِ ذکر تھے۔ بہرحال اس کمی کو ہم ان کے ان معاصرین کے بیانات سے پورا کرینگے جنھوں نے اپنے تذکروں میں شیخ کا ذکر کیا ہے۔ ان سب میں والہ داغستانی صاحب ریاض الشعراء سب سے زیادہ معتبر اور قابلِ لحاظ ہیں

کیونکہ وہ ایران سے ہندوستان تک تقریباً شیخ کے ہم سفر رہے تھے اور
بعض ایسے واقعات کھول کر بیان کرتے ہیں جنھیں شیخ نے مجمل چھوڑ دیا ہے۔
والہ داغستانی شیخ کا نام و نسب اور سنہ تولد وغیرہ بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں
کہ شیخ کو بعض علوم میں مہارت ہے، مختلف خط نہایت شیریں لکھتے ہیں،
حسن تقریر اور صفائے تحریر میں یگانۂ روزگار اور سخنوری کے تمام شعبوں کے
جامع اور اس کی تمام روشوں پر حاوی ہیں، اوائل حال میں انہوں نے
ایران کے تقریباً تمام ممالک کی سیر و سیاحت کی ہے اور مدتوں دار السلطنت
اصفہان اور دار العلوم شیراز میں رہ کر بعض علوم تحصیل کیے ہیں، اور اس
زمانہ کے شعراء کی صحبت میں رہ کر درجۂ کمال کو پہنچے ہیں۔ سنہ ۱۱۴۱ھ میں حج سے
مشرف ہو کر بلدۂ لار میں آکر ٹھہرے۔" اس واقعہ کے دو مہینے کے بعد ہی اس
شہر کے رہنے والوں نے میرزا باقر خاں کلانتر کی سرکردگی میں ولی محمد خاں شاملو
متخلص بہ مسرور کے مکان پر حملہ کیا جو نادر کی طرف سے وہاں کا حاکم تھا۔ اس
ہنگامہ میں ولی محمد خاں مارا گیا۔ اس کے قتل کے بعد میرزا باقر خاں اور
اس کے ہمراہی شیخ کے پاس آئے اور اپنے فعل شنیع کا اقرار کیا اور قرار یہ پایا
کہ ایسی حالت میں نادر کی حکومت کا جوا گردن سے اتار کر پھینک دینا
چاہیے اس بناء پر ان لوگوں نے بغاوت اختیار کی۔ اس زمانہ میں حاجی
غنی بیگ جہرم کا حاکم بھی نادر سے منحرف تھا اور محمد خاں بلوچ جو نادر کی

طرف سے جہرم کا محاصرہ کیے ہوئے پڑا تھا، لار کی بغاوت کی خبر سنکر فوراً
ایک کثیر جمعیت کے ساتھ اس طرف متوجہ ہوا۔ شیخ اور کلانتر مذکور نے باشندگان
شہر کے ساتھ مل کر اس کا مقابلہ کیا، مگر لار کے قلعہ میں جو لوگ حاکم مقتول کے
ساتھی موجود تھے انہوں نے اہلِ شہر کا ساتھ نہ دیا اس لیے اہلِ شہر سے بجز
اس کے کچھ نہ بن پڑا کہ وہ آدھی رات کو شہر کے ایک طرف سے نکل کر متفرق
ہو گئے، بعض گرفتار ہوئے بعض مارے گئے، اور بہت تھوڑے بچے۔
ولی محمد خاں کے قتل اور اس بغاوت کا سارا الزام شیخ کی گردن پر پڑا اور
شیخ بہزار زحمت سواحل عمان تک پہنچے اور سفر کی ناقابلِ برداشت مصائب
اُٹھا کر پھر بندر عباس آئے اور کرمان پہنچکر اردبیل کا ارادہ کر رہے تھے
کہ کرمان کے کلانتر کو اُن کے آنے کی خبر ہو گئی اور اُس نے ولی محمد خاں مرحوم کے
ایک نوکر کی مخبری پر جو اتفاقاً وہاں موجود تھا اس کی اطلاع وہاں کے بیگلربیگی
محمد تقی خاں کو کی اور شیخ کی اہانت اور ایذا رسانی کا ارادہ کیا اس زمانہ میں میں
بھی بعزم ہندوستان بندر عباس آیا ہوا تھا مگر موسم سفرِ دریا گذر چکا تھا
اس لیے بہ انتظار موسم آیندہ کرمان میں مقیم تھا۔ جب مجھے یہ خبر معلوم
ہوئی تو میں نے کلانتر کو اس کے اس ارادہ سے روکا اور بیگلربیگی کو جس کا
مجھ سے بہت ربط ضبط تھا اس پر راضی کیا کہ وہ کوئی کارروائی شیخ کے
خلاف نہ کرے۔ اور شیخ کو اپنے ساتھ لیکر بندر عباس آیا۔ میرزا اسمٰعیل

زمیندار رے نے جو اس زمانہ میں بندر عباس کا حاکم تھا ہم لوگوں کی بڑی مہمان داری کی۔ شیخ کو اس کے پاس چھوڑ کر میں تو ایک جہاز پر جو ہندوستان جا رہا تھا توکل بخدا سوار ہو گیا۔ میرے ہندوستان پہنچنے کے دس دن بعد کیا دیکھتا ہوں کہ شیخ صاحب بھی چلے آتے ہیں، معلوم ہوا کہ اسی مقدمہ کی وجہ سے ان کا بندر عباس میں قیام متعذر ہو گیا تھا اور اس لیے ناچار انہیں ہندوستان کی عزیمت کرنی پڑی۔ القصہ کبھی ساتھ ساتھ اور کبھی آگے پیچھے سفر کرتے ہوئے ہم لوگ دہلی پہنچے۔ شیخ صاحب چند روز دہلی میں قیام کر کے پھر لاہور واپس چلے گئے۔ وہ لاہور ہی میں تھے کہ نادر کے ہندوستان آنے کی خبر گرم ہوئی ایسی حالت میں شیخ کو بجز اس کے چارہ نہ تھا کہ وہ پھر دہلی آ جائیں چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور میرے غریب خانہ میں آ کر اس وقت تک پوشیدہ رہے جب تک کہ نادر شاہ کی واپسی نہ ہوئی۔ اس کے جانے کے بعد شیخ نے پھر لاہور کا قصد کیا اور وہاں جا کر قیام پذیر ہوئے اس قیام کے زمانہ میں کچھ ایسے اسباب پیش آئے جن کی تفصیل طویل ہے جس کی وجہ سے لاہور کا صوبہ دار ذکریا خاں دلیر جنگ ان کے درپے آزار ہو گیا۔ اتفاقاً اسی زمانہ میں میرے عزیز دوست حسن علی خاں کاشی جو بادشاہ ہند کی طرف سے بطور سفیر ایران بھیجے گئے تھے واپس ہو کر لاہور میں مقیم تھے میں نے انہیں شیخ کے متعلق لکھا اور وہ شیخ کو اپنے ساتھ نہایت آرام

اور آسایش کے ساتھ پھر دہلی واپس لائے اور اس تحریر کے وقت تک دہلی میں تشریف فرما ہیں۔ پادشاہ، امراء اور دہلی کی عامہ خلایق ان کے ساتھ بکمال محبت، اور مراعات پیش آتی ہے، لیکن شیخ اپنی جبلی مروت اور ذاتی طبیعت سے مجبور ہیں، اور بادشاہ، امراء اور عامہ خلایق میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کی وہ ایسی رکیک ہجویں جو شیخ کی شان کے بالکل منافی ہیں، نہ کرتے ہوں۔ ہر چند میں نے اس ادائے زشت اور خوئے پست سے انہیں باز رکھنا چاہا مگر کچھ مفید نہ ہوا اور وہ اپنے کار ناہنجار میں مصروف ہیں۔ چونکہ مجھ پر بادشاہ کے نمک اور امراء اور بیگناہ دوستوں کے حق محبت کا پاس لازم ہے اس لیے میں نے ان بزرگوار سے ملاقات اور ملنا چلنا بالکل ترک کر دیا ہے، اس ملک کے بزرگوں کے خلق کریم اور کرم عمیم پر آفریں اور صد آفریں ہو کہ باوجود قدرت اور اختیار کے ان سے انتقام لینے کا خیال نہیں کرتے، اور بکمال حلم اور مروت سے کام لیکر ان کے ساتھ رعایتیں کرتے اور ان کی خبرگیری سے پہلوتہی نہیں کرتے ہیں اور یہ امر عقلائے ایران کے لیۓ جو اس ملک میں بلائے غربت اور کربت میں مبتلا ہیں۔ زیادہ تر موجب خجالت ہوتا ہے۔

ہر کہ پا کج میگذارد ما دل خود میخوریم
شیشۂ ناموس عالم در بغل داریم ما"

دوسرا انتخاب مولانا غلام علی آزاد کے "سرو آزاد" سے کیا جاتا ہے مولانا
شیخ کے حال میں بعد نام و نسب وغیرہ کے تحریر فرماتے ہیں کہ "جب ممالک ایران
پر نادر شاہ کا تسلط ہو گیا اور وہ امن و امان جو صفویہ خاندان کے بادشاہوں
کے زمانہ میں تھا باقی نہ رہا تو شیخ نے ہندوستان کا قصد کیا اور ۱۱۴۷ھ
میں بندر ٹھٹہ پہنچے اور سوستان اور خدا آباد کے راستہ سے بھکر آئے
اتفاقاً اسی زمانہ میں میں بھی سندھ سے بارادہ ہند چلا تھا بھکر میں شیخ سے
اکثر ملاقاتیں ہوئیں۔ شیخ علوم عقلی اور نقلی کے جامع اور نظم و نثر میں بلند
مرتبہ رکھتے ہیں۔ شیخ بالآخر براہ ملتان و لاہور دارالخلافت دہلی پہنچے اور
تقریباً چودہ سال دہلی میں مقیم رہے۔ ۱۱۶۱ھ میں دہلی سے نکل کر چند روز
اکبرآباد میں ٹھہرے اور وہاں سے بنارس گئے، بنارس میں چند روز
قیام کر کے پٹنہ عظیم آباد کا ارادہ کیا مگر وہاں بھی جی نہ لگا اور پھر بنارس
آ گئے اور وہیں مقیم ہیں۔ بھکر میں جس وقت شیخ سے ملاقات ہوئی
تھی تو شیخ نے اپنے قلم سے اپنے کچھ اشعار لکھکر عنایت فرمائے تھے۔"

مولانا غلام علی نے شیخ کا ذکر خزانۂ عامرہ میں زیادہ تر تفصیل سے
کیا ہے اور تقریباً وہی تمام واقعات لکھے ہیں جو والہ داغستانی کے
انتخاب میں نذر ناظرین ہو چکے ہیں البتہ اتنا زیادہ لکھا ہے کہ "عمدۃ الملک
امیر خاں انجام نے فردوس آرامگاہ (محمد شاہ) سے سفارش کر کے

ایک سیر حاصل جاگیر شیخ کے مصارف کے لیے مقرر کرا دی تھی"۔ اس وقت خان آرزو کا رسالہ تنبیہ الغافلین شایع ہو چکا تھا اس کا ذکر بھی کیا ہے اور خان آرزو کے بعض اعتراضات کا جواب دیا ہے اور شیخ کے عربی کے بعض اشعار پر خود نکتہ چینی کی ہے۔ اور شیخ کی تاریخ وفات بھی قطعہ ذیل سے نکالی ہے۔

علامہ عصر شاعرے خوب — افسوس کہ از میانہ برخاست
تاریخ وفات او نوشتم — از فوتِ حزیں حزیں دل ماست

تیسرا انتخاب میر حسین دوست صاحب تذکرہ حسینی سے پیش کیا جاتا ہے یہ بھی شیخ کے معاصر ہیں۔ وہ بعد ضروری مراتب کے لکھتے ہیں کہ شیخ نادر شاہ کے ہندوستان آنے سے پہلے دارالخلافت شاہجہاں آباد میں آگئے تھے، اور نہایت احتشام، عزلت اور استغنا کی زندگی بسر کرتے تھے۔ بادشاہ فردوس آرامگاہ (محمد شاہ) نے مکرر شیخ سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی مگر شیخ صاحب اس پر راضی نہ ہوئے اور نہ ہندوستان سے کسی مالی امداد لینے پر رضامندی ظاہر کی، مگر عمدۃ الملک امیر خاں جب الہ آباد سے شاہجہاں آباد آئے تو شیخ کے بہت معتقد ہو گئے۔ انہوں نے مدد خرچ کے لیے ایک سند چھ لاکھ دام کی مرتب کرکے پیش کی، چونکہ شیخ صاحب کو امیر خاں کے ساتھ ایک قسم کا ربط ہو گیا تھا اس لیے

شیخ صاحب نے اس کے رد پر اصرار نہ کیا۔ امیر خاں نے یہ سند ایک شخص کے سپرد کر کے حکم دیا کہ زر محاصل فصل بہ فصل حاصل کر کے شیخ کی سرکار میں پہنچاتا رہے۔ اس وقت شیخ صاحب بنارس میں مقیم ہیں۔ انہیں فن شعر میں مہارت کلی حاصل ہے۔ قدیم اور جدید دونوں طرز پر شعر فرماتے ہیں ملنے جلنے میں بے نظیر ہیں، خط ثلث، نسخ، رقاع اور شکستہ نہایت عمدہ لکھتے ہیں، اور ژند و پاژند اچھی طرح جانتے ہیں۔ اور غرائب علوم سے واقف ہیں مگر ہندوستان کے شعراء کو اپنی شاعری کے مقابلہ میں ہیچ اور لوچ سمجھتے ہیں۔"

چوتھا انتخاب لچھمی نرائن شفیق اورنگ آبادی تلمیذ میر غلام علی آزاد کے تذکرہ "شام غریباں" سے کیا جاتا ہے، یہ بھی تقریباً شیخ کے معاصر ہیں۔ وہ تمہیدی بیان کے بعد لکھتے ہیں کہ "وہ نادر شاہی ہنگامہ میں ہندوستان آئے اور دار الخلافت شاہجہاں آباد میں بعزت تمام بسر کرنے لگے، آخر آخر بنارس میں قیام اختیار کیا۔ چونکہ اُن کے والد کا نام ابو طالب تھا اس لیے انہوں نے اپنا نقش نگین "علی بن ابو طالب" اختیار کیا تھا۔ گیارہ جمادی الاول ۱۱۸۰ھ کو انتقال کیا اور اس قبر میں جو انہوں نے بنارس میں اپنی زندگی میں تیار کرائی تھی مدفون ہوئے "خدایش بیامرزاد" سے ان کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔ مہدی علی خان آئین

حارس قلعہ دولت آباد نے ان کے وفات کی بیحد عمدہ تاریخ نکالی ہے ۔

وہو ہذا

شیخ دانشمند استاد سخن سنجان عصر بر سر ایں خاکدان کہنہ افشاند آستین
سال تاریخش آمین دولت آبادی نوشت رفت زیں عالم علی بن ابیطالب حزیں

شاہ ہدایت اللہ وحدت کابلی ۱۱۰۵ھ میں اورنگ آباد دکن سے
شاہجہاں آباد کسی کام کے لیئے گئے تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے شاہجہان آباد
پہنچکر یہ ارادہ کیا کہ شیخ سے ملوں اور اس نیت سے اُن کے دروازہ پر پہنچا،
دروازہ پر حاجب موجود تھا میں نے حاجب سے کہا کہ میرے آنے کی خبر کردو
اس نے پوچھا کہ کیا کہوں میں نے کہا صرف اتنا کہو کہ ایک درویش دکن سے
تازہ وارد ہے اور آپ سے ملنا چاہتا ہے ۔ حاجب اندر گیا اور اجازت لیکر
آیا اور مجھ کو اندر لے گیا میں نے دیکھا کہ ایک عالیشان عمارت میں فرش
بچھا اور مسند لگی ہے اور شیخ وہاں تشریف فرما ہیں ۔ جب میں نزدیک پہنچا
تو شیخ نے بیٹھے بیٹھے مصافحہ کیا اور مطلق اپنی جگہ سے جنبش نہ کی میں بھی
ایک کونہ مسند کا دبا کر بیٹھ گیا ۔ جب میں بیٹھ گیا تو شیخ نے پوچھا کہ کہاں سے
آنا ہوا میں نے کہا دکن سے اس کے بعد میں نے کہا کہ مولوی محمد باقر شہید[1] نے

---

[1] مولوی محمد باقر کا خاندان ایرانی تھا، اور قوم کے ترک تھے، ان کے اجداد میں سے ایک صاحب نے ایران سے آکر احمد آباد گجرات میں توطن اختیار کیا اور شہید وہیں پیدا ہوئے

(باقی بر صفحہ ۳۰)

آپ کو سلام کہا ہے۔ بعینہٖ واحد پوچھا کہ وہ کہاں ہے میں نے کہا کہ
اورنگ آباد میں ہیں۔ دریافت کیا کہ اب بھی وہ شعر کہتا ہے میں نے کہا کہ
جی ہاں اب بھی شعر کہتے ہیں کہا اگر ان کا کوئی شعر یاد ہو تو پڑھو۔ میں نے
یہ شعر پڑھا۔

انا الحق گفتن منصور تا دیلے نمی خواہد
گدا گم میکند خود را چو دولت میکند پیدا

شیخ نے جو خود درویش اور درویشوں کے خاندان سے تھے اس کو سن کر
تھوڑا سا تامل کیا اور کہا کہ میں نے آپ کو نہیں پہچانا تھا اور یہ کہکر اُٹھے
اور اُٹھ کر معانقہ کیا اور مسند پر اپنے برابر بٹھایا۔ کھانا منگایا اور ہم دونو
نے ساتھ کھایا۔ فراغت کے بعد جب میں چلنے لگا تو سروقد اُٹھ کر مجھے
رخصت کیا۔"

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) عنفوان شباب میں احمد آباد چھوڑ کر دکن آگئے۔ چند روز ملازمت کرتے رہے بعدہٗ
ملازمت ترک کرکے اورنگ آباد دکن ہی میں رہنے لگے۔ حج کے لیے گئے۔ بندر ٹھٹھہ میں شیخ علی حزیں
سے ملاقات ہوگئی اور اُن کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ ان کے شاگرد اور مرید ہوگئے۔ حج سے واپسی کے
بعد اورنگ آباد آکر بالکل گوشہ نشین ہوگئے اور گھر سے نکلنا مطلق چھوڑ دیا۔ ۱۱۷۴ھ
تک زندہ تھے۔
ماخوذ از تذکرہ بےنظیر مؤلفہ سید عبدالوہاب بخاری دولت آبادی کے از شاگردان مولانا غلام علی آزاد

جو واقعات اور حالات اس وقت تک لکھے جا چکے ہیں ان سے شیخ کی عادت، اور جبلت کے متعلق جو امور باسانی مستنبط ہو سکتے ہیں وہ یہ ہیں کہ وہ ایک مخصوص طبیعت کے انسان تھے۔ فطرت نے انہیں فہم و ادراک سے حظ وافر عطا کیا تھا، علم و فضل کی تحصیل اور تکمیل، اور اہل علم کی صحبت کے دلدادہ تھے۔ جہاں جاتے اور رہتے وہاں اسی طبقے کے لوگوں میں زندگی بسر کرنا چاہتے تھے، جذبات اور احساسات قوی تھے کمزوروں اور ضعیفوں پر جور و جفا ہوتے ہوئے دیکھ کر خاموش نہیں رہ سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اکثر مقامات میں سیاسی معاملات میں دخل دیکر مورد الزام ٹھہرے اور اس زمانے کے حکام انہیں مشتبہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ شیخ میں سب سے بڑا عیب ان کا تعصب اور بدماغی تھی۔ نہ وہ ایران سے بہتر دنیا میں کسی ملک کو سمجھتے تھے اور نہ اپنے علم و فضل کے مقابلہ میں کسی شخص کے علم و فضل کو کوئی مرتبہ دیتے تھے۔ یہی وہ امور ہیں جنہوں نے انہیں عمر بھر پریشان رکھا۔

ہندوستان پر ان کی خاص نظر عنایت تھی اور جو امکانی عیوب ذہن میں آ سکتے تھے ان سب کا وہی مورد تھا۔

شیخ کے تذکرۃ الاحوال کی صفحہ سرگردانی سے جو فرد قرار داد جرم ہندوستان کے لیے مرتب ہوتی وہ یہ ہے۔

(۱) ہندوستان کی آب و ہوا بیحد خراب ہے

(۲) وہاں کے باشندوں کے اوضاع و اطوار اس سے زیادہ تکلیف دہ اور ناقابل برداشت ہیں۔ یہ لوگ بے غرض کسی کے دوست نہیں ہوتے بیوفائی ان کی خلقت میں داخل ہے اور فہم و ادراک سے عاری ہیں۔

(۳) وہاں معیشت اور زندگی سخت مشکل اور دشوار ہے، اور بغیر زر وافر اور زور موفور اور بلدیت کے کوئی شخص زندگی بسر نہیں کر سکتا، اور اس کی فراہمی کے بعد بھی زندگی مختل اور بے مزہ گزرتی ہے۔

(۴) ادنیٰ سے ادنیٰ چیز بھی بغیر سعی سرگردانی اور انتظار کے میسر نہیں آتی۔

(۵) اچھے خدمتگار نہیں ملتے۔

(۶) ملازم کاہل اور سست ہوتے ہیں جو کام دوسرے ممالک میں ایک شخص سے نکلتا ہے وہ یہاں دس آدمیوں سے بھی نہیں نکلتا اور جس قدر ملازمین کا اضافہ کیا جاتا ہے اسی قدر کام اور زیادہ ابتر ہوتا جاتا ہے۔

(۷) اس مملکت کے تمام راستے ہمیشہ بے امن اور خطرناک رہتے ہیں۔

(۸) یہ ملک اس قدر خراب اور بے رونق ہے کہ اس میں کوئی ایسا شخص جس نے ممالک ایران اور روم میں تربیت پائی ہو بغیر سخت مجبوری اور درماندگی کے رہنا نہیں پسند کر سکتا۔ جیسا کہ استاد طوسی نے گرشاسپ نامہ میں کہا ہے۔

نمانی دراں بوم سالے تمام | کہ لشکر گراں گیر داز ننگ ونام
گرت بگذرد چار موسم دراں | ز فرہنگ مردی نیابی نشاں

اگر شیخ کی یہ رائے نثر ہی تک محدود رہتی تو غنیمت تھا مگر شیخ نے اس پر اکتفا نہ کیا اور نظم میں جو بہ نسبت نثر کے زیادہ تر سریع الاثر اور سریع الانتشار ہے اسے قسم بلکہ اس سے بھی بڑھکر خیالات کا اظہار کیا ہے۔ جیسا کہ ان کے چند اشعار مندرجۂ ذیل سے واضح ہوگا۔

نسناس سیرتی است تمنائے مردمی
از دیو لاخ ہند کہ انساں نداشتہ است

وله

دیدہ جز بوالعجبی ہیچ نہ بیند در ہند
فلک انداختہ مارا بدیار عجبے

وله

دل بہ ظلمت کدۂ ہند غریب افتادہ است | چہ شود گر رسد از شاہ غریباں مددے

وله

سواد ہند خاطر خواہ باشد بے کمالاں را
نماید خانۂ تاریک روشن چشم عریاں را

غزلوں میں جا بجا ایسا لکھ جانا قابلِ معافی ہو سکتا تھا مگر بعض رباعیاں بھی سُن لیجئے جو بطور خاص ہندوستان کے نذر کی گئی ہیں۔

رباعی

ہند است و جہاں بکام مے باید نیست
پاس ہر خاص و عام مے باید نیست
تا حاملہ سازیم بزرگانش را
یکمشت زر حرام مے باید نیست

دیگر

در ہند اگر کسے نہ رنجد از راست
گویم طبقات را بے کم و کاست
پنج است کہ شش نمی توانش کردن
پاجی، دیوث، قحبہ، حیز و گدا است

دیگر

دیدیم سواد ہند حسرت زار است
روز کہ و مہ چو شام ہجراں تار است
بست است بکار ہمہ شاں سخت گرہ
اینجا گرہ کشادہ در شلوار است

اکثر شعراء جو ایران سے ہندوستان آئے اور اس کی بدولت زمین سے آسمان تک پہنچے، اسی قسم کی شکایتیں کرتے رہے ہیں اسی پر چل کر مولانا غلام علی آزاد نے کہا ہے ؎

در کاکل بتاں دل بدخو فغاں کند
ہمچوں نمل شکایت ہندوستاں کند

مگر اسی طبقہ میں بعض انصاف پسند لوگ بھی تھے جنھوں نے ہندوستان کی تعریف بھی کی ہے۔ اگر تلاش کی جائے تو بہت سے ایسے اشعار مل سکتے ہیں مگر یہاں صرف انہیں پر اکتفا کیا جاتا ہے جو اس وقت پیش نظر تھے۔

صائب۔

بجو عزم سفر ہند کہ در ہر دل ہست
رخت سودائے تو در ہیچ سرے نیست کہ نیست

باقر خاں (عہد جہانگیر)

غالباً در ہند از زلفش طلسمے بستہ اند
ہر دل آوارہ کانجا رفت دیگر برنگشت

میرزا محمد قلی سلیم :-

نیست در ایران زمین سامان تحصیل کمال
تا نیامد سوئے ہندوستاں حنا رنگیں نشد

سلیم طہرانی :-

بعیش آباد ہندوستاں غم پیری نمی باشد
کہ مو نتواند از شرم کمرہا شد سفید اینجا

محمد شاہ کا زمانہ اگرچہ اکبر، جہانگیر، اور شاہجہاں کے زمانوں کی طرح شعر و سخن پرور نہ تھا تاہم عہد محمد شاہی میں صرف شاہجہاں آباد میں شعراء اور اس فن کے ماہرین کا اچھا خاصہ مجمع تھا۔ ایرانیوں مثلاً والہ داغستانی، شہرت شیرازی، محمد رضا قزلباش خاں امید وغیرہ کو چھوڑ کر خود ہندوستان کے لوگوں میں طبقۂ امراء میں عمدۃ الملک امیر خاں انجام، نظام الملک آصف جاہ اول شاکر و آصف۔ شعراء میں میرزا بیدل، عبدالجلیل بلگرامی، آزاد بلگرامی، میرزا مظہر جانجاناں، وحشت تھانسری، عنایت بن شیخ الہ یار خوشنویس، محمد فقیہ، دردمند، شیخ کمال الدین حقیر، میر محمد عظیم ثبات، میر محمد افضل ثابت، امانت رائے امانت، سراج الدین خاں آرزو، میر علی نقی ایجاد، انصاف، میر رضی اقدس، میر محمد احسن ایجاد، میر محمد علی افصح،

(موخرالذکر تینوں حضرت آصف جاہ اول کے رفقا میں تھے) میر عظمت اللہ بے خبر بلگرامی، کشن چند اخلاص صاحب تذکرہ ہمیشہ بہار، وغیرہ وغیرہ سے اس عہد میں شعر و شاعری کا چرچا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ شیخ کے وارد ہندوستان ہونے کے وقت بعض ان میں سے فوت ہو چکے تھے پھر بھی بڑی تعداد موجود تھی۔

شیخ کی زباں درازیوں اور بد دماغیوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہندوستان کے زمرۂ شعرا میں شیخ کے خلاف ایک حرکت پیدا ہو گئی اور بعض اہل علم نے ان کے اشعار کو بنظر نکتہ چینی دیکھنا شروع کیا۔ سب سے پہلے اس میدان میں سراج الدین خاں آرزو نے قدم رکھا۔ خانصاحب در اصل گوالیار کے رہنے والے تھے مگر ایک زمانہ سے دلی میں رہتے تھے۔ اور فن شعر اور دوسرے علوم متعلقہ کے مسلم الثبوت استاد سمجھے جاتے تھے۔ ان کی تصنیفات کی فہرست طویل ہے جو خیابان شرح گلستان و شگوفہ زار شرح سکندر نامہ۔ شرح قصائد عرفی۔ و شرح و داج محاکمہ شعر و سراج منیر اجوبۂ اعتراضات ملا منیر بر اشعار بعضے متاخرین و رسالۂ ادب عشق و معیار الافکار و مثنوی جوش و خروش و سوز و ساز، و عالم آب، و فسانۂ غریب۔ و دیوان غزلیات، و گلزار خیال، و ابروئے سخن، و عطیہ کبریٰ وغیرہ پر مشتمل ہے۔ بحیثیت شاعر کے خواہ ان کی حیثیت

کچھ ہو مگر ایک محقق کی حیثیت سے وہ یقیناً ہندوستان کے ایک ممتاز
اور سربرآوردہ شخص تھے، اور اس لحاظ سے شیخ کے کلام پر نکتہ چینی کے
لیئے ان سے بہتر کوئی دوسرا شخص نہیں مل سکتا تھا، انھوں نے تنبیہ الغافلین
کے نام سے ایک کتاب لکھی، جس میں تقریباً شیخ کے چار سو اشعار پر مختلف
اعتراضات کیے ہیں۔ ایک ہندی شخص کی اس جرأت کو دیکھ کر معلوم
نہیں کہ شیخ صاحب کا غم وغصّہ سے کیا حال ہوا ہوگا۔ خاں صاحب نے
جس ذہنیت کے ساتھ اس کام کو شروع کیا تھا اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ
کہ وہ نکتہ چینی میں حد اعتدال کو قایم نہ رکھ سکیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔
مگر اسی ہندوستان کی سرزمین سے ایک عرصہ کے بعد ایسے لوگ بھی اٹھے
جنھوں نے شیخ کے ساتھ انصاف کیا جانا اپنا فرض تصور کیا۔ شیخ
امام بخش صہبائی نے جو تحقیق و تدقیق میں خان آرزو سے کچھ ایسے
کم نہ تھے، اس پر مستعد ہوئے کہ اس برتاؤ کو جو شیخ کے کلام کے ساتھ
کیا گیا تھا بنظر انتقاد دیکھیں اور جہاں تک ممکن ہو شیخ کی طرف سے وہ
کام کریں جو وہ خود نہ کرسکتے تھے۔ ہم اس جگہ ناظرین کی دلچسپی کے لیے
بلاکسی خاص انتخاب کے چند اعتراضات اور بعض صہبائی کی تنقید کا
درج کرنا مناسب تصور کرتے ہیں۔ جس سے خان آرزو کے اعتراضات
اور صہبائی کے جوابات کی نوعیت کا اندازہ ہوجائیگا۔

شیخ علی حزیں کا شعر ہے

ہر چہ خواہی بکن از دوری دیدار مگو
وحشت آباد مکن خاطر ویرانی را

خان آرزو کا اعتراض۔

خاطر ویراں کو وحشت آباد نہ ہونے دینے کی خواہش کرنے میں کیا لطف ہے، البتہ اگر خاطر جمع کے متعلق ایسی خواہش کی جاتی تو بجا تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ عاشق کو جمعیت خاطر سے کیا کام ہے تو ہم یہ کہیں گے کہ یہاں معشوق مخاطب ہے اور خطاب سوائے حالت وصل کے ممکن نہیں اور جمعیت خاطر وصل میں متصور ہے۔

شیخ علی حزیں کا شعر

صف مژگان تو گر سایہ بدریا فگند
خار قلاب شود در دہن ماہی ما

خان آرزو کا اعتراض۔

اول مصرعہ میں "صف" اور دوسرے مصرعہ میں لفظ "ما" بیکار محض ہیں اور اُن سے کوئی فائدہ معنی میں حاصل نہیں ہوتا۔

اسی طرح اس شعر میں

در محبت دراز باد حزیں عمر غمہائے جاودانۂ ما

میں لفظ "جاودانہ" حشو ہے۔

شیخ علی حزیں کا شعر

پنہاں نگشت در دل صد چاک راز عشق
ایں خانۂ شکستہ ہوا را نگہ نداشت

خان آرزو کا اعتراض

مصرعۂ اول سے یہ امر مستفاد ہوتا ہے کہ راز عشق جو دل میں تھا وہ دل کے چاکوں کی وجہ سے باہر نکل گیا اور فاش ہوگیا اور دوسرے مصرعہ سے اس کے خلاف مفہوم پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ "نگہداشتن خانۂ ہوارا" کے یہ معنی ہیں کہ گھر مانع دخول ہوا ہے نہ کہ مانع خروج ہوا۔

شیخ علی حزیں کے اشعار

اگرچہ صد سال ز بیخودی بخاک راہت فتادہ باشم
چو باز پرسی حدیث منزل ز شوق گویم لبشت بوما
خوشا محبت کہ فارغم کرد ز قید ہستی و خود پرستی
نہ ذوق کارے نہ زیر بارے نہ رنج امروز نہ بیم فردا

خان آرزو کا اعتراض

ان دو شعروں میں تین سکتے واقع ہوئے ہیں اگرچہ بعض ارباب عروض

نے ان سکتوں کو جائز قرار دیا ہے مگر طبع سلیم پر ان کی گرانی مسلم ہے۔

شیخ علی حزیں کا شعر

مژگاں بہم نمی زنم اے شورِ رستخیز
غوغائے حشر خواب پریشان عاشق است

خان آرزو کا اعتراض

پہلے مصرعہ کا مطلب یہ ہے کہ شورِ قیامت سے مجھے نیند نہیں آتی اس لحاظ سے دوسرا مصرعہ غیر مربوط ہوجاتا ہے۔

مولانا صہبائی نے جس طرح قول فیصل میں خان آرزو کے اعتراضات کے جواب دیے ہیں ان کا نمونہ بھی ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

حزیں کا ایک شعر یہ ہے

حزیں از دیدہ مے نالم نگاہ حسرت آلودے
کہ از آغوشِ مژگاں دادہ ام خاک صفاہاں را

اس پر خان آرزو کے اعتراض کا خلاصہ یہ ہے کہ

نالیدن مصدر لازم ہے اس صورت میں "نگاہ حسرت آلود" اس کی مفعول نہیں ہوسکتی۔ ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ لفظ "با" یہاں سے محذوف ہے، لیکن اس کے واسطے سند چاہیے۔

مولانا صہبائی اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ

از دیدۂ ے نالم میں "از" بمعنی واسطے کے ہے اور "نگاہ حسرت آلودے"
کے بعد الفاظ "باید کرد" محذوف ہیں۔ اس قسم کے محذوفات کا قرینہ
عام طور سے یائے تحتانی مجہولہ سے پیدا ہوتا ہے۔ نظیری نیشاپوری
کہتے ہیں۔

رحمے کہ زدست میرود کار
بر غرقہ جفا بود تغافل

یہاں رحمے کے آگے باید کرد کے الفاظ مقدر ہیں۔ اسی طرح
جلال اسیر کہتے ہیں

تغافل سوز گردیدم نگاہے   بہ تلخی جاں سپردم نوشخندے
اسیرم بے زبانم بیدلم بیطاقتم مستم
نگاہے خندۂ حرفے نویدے رمزے ایمائے

شیخ علی حزیں کے شعر کا مطلب یہ ہے کہ اے حزیں میں اپنے
دیدۂ محروم کے لیے روتا ہوں، اس کی طرف ایک نگاہ حسرت آلود
ڈالنی چاہیئے اور دیدہ کے لیے میرا رونا اس لیے ہے کہ میں نے خاک
صفاہان کو جو میرے بصر اور چشم کی سرمہ تھی اسے میں نے آغوش مژگان
سے گم کر دیا ہے۔

شیخ علی حزیں کا شعر

ما گر فسردہ ایم صبا را چہ می شود
رہ گم نہ کردہ بوئے گلے تا دماغ ما

خان آرزو کہتے ہیں کہ

اس بیت میں تقدیر ضروری ہے بغیر اس کے معنی پیدا نہیں ہوتے اور وہ مفقود ہے۔ علاوہ اس کے مصرعہ اول میں "صبا را چہ میشود" کہا ہے اور دوسرے مصرعہ میں راہ گم کرنا بوئے گل کی طرف منسوب کیا ہے اور یہ تکلف سے خالی نہیں؛ اس کے ساتھ ہی یہاں راہ گم کردن سے راہ غلط کردن اولیٰ ہے۔

صہبائی اس کا جواب دیتے ہیں کہ

تجویز تقدیر اور راہ گم کردن پر اعتراض سے معلوم ہوتا ہے کہ خانصاحب اس شعر کا مضمون یہ سمجھے ہیں کہ اگر ہم افسردہ ہیں تو صبا کو کیا ہو گیا ہے جو وہ نہیں آئی اور بوئے گل ہمارے دماغ تک بھولے سے بھی نہیں پہنچی؛ مگر فی الحقیقت یہ مطلب نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر ہم افسردہ ہیں اور باغ تک جانے کی طاقت نہیں رکھتے تو صبا کو کچھ نہیں ہوا ہے یعنی وہ تو افسردہ نہیں ہے کیونکہ بوئے گل ہر لحظہ ہمارے دماغ تک پہنچا رہی ہے اور اس سے صبا کی عدم افسردگی ظاہر ہے۔ اور بوئے گل کا راہ نہ گم کرنا اس وجہ سے کہا ہے کہ صبا کو بوئے گل کا ہادی اور رہبر قرار دیا ہے اور رہبر کے

بغیر سالک راستہ بھول جاتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اگر صبا رہبر نہ ہوتی تو بوئے گل نہیں پہنچ سکتی تھی یعنی راستہ بھول جاتی' اس لحاظ سے راہ غلط کردن کی اولویت بھی باقی نہیں رہتی۔

اس جھگڑے کے علاوہ ایک دوسرا جھگڑا یہ پیش آیا کہ ایک شخص نے شیخ صاحب کو ایک خط لکھا اس میں میر افضل ثابت کے ایک شعر کی تعریف کی تھی۔ اس کے جواب میں شیخ صاحب نے لکھا کہ شعر غیر مربوط ہے اور علاوہ اس کے شاعر نے مضمون فلاں شاعر کے شعر سے چرایا ہے۔ اتفاق سے یہ رقعہ محمد عظیم متخلص بہ ثبات کے نظر سے گذرا جو میر افضل ثابت کے بیٹے اور اُن کے شاگرد تھے۔ اسے دیکھ کر محمد عظیم آگ بگولہ ہو گئے اور انھوں نے شیخ کے کلام کو اسی عیب کی تلاش میں دیکھنا شروع کیا چند روز میں انھوں نے شیخ کے کلام سے تقریباً پانچسو شعر ایسے منتخب کر کے شایع کر دیے جن کا مضمون دوسرے شعرا کے کلام سے لیا گیا تھا۔ مثال کے طور سے دو چار شعر یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔

شیخ علی حزیں :-

ہم برزدم بے تو دیر و حرم را
ندانم کجائی کہ جویم نشانت

ولی محمد خاں مسرور :- (وہی جن کے قتل کا اتہام شیخ پر لگایا جاتا تھا)

جستیم ترا در حـــــرم و دیر نبودی
اے نور دل و دیدہ مسرور کجائی

شیخ علی حزیں :-

خاکم بباد رفت وز یادم نمیــروی
عشق آں خیال نیست کہ از دل بروں شود

میرزا جلال دبیر :-

خاکم ببـا درفت وزیادم نمیــروی
پنداشتم کہ از تو جدا می تواں شدن

شیخ علی حزیں :-

بار غـــم عشق تو مرا پشت دو تا کرد
در شہر چو ماہ نوم انگشت نمـا کرد

مولوی جامی :-

ہیل خم ابروے تو ام پشت دو تا کرد
در شہر چو ماہ نوم انگشت نمـا کرد

شیخ علی حزیں :-

سلوکم در طریق عشق با یاراں باں ماند
کہ مور لنگ ہمراہی کند چابک سواراں را

ملا محمد صوفی :-

چنانم با رقیباں در رہ عشق
کہ مور لنگ با چابک سواراں

شیخ علی حزیں :-

در مجلس ما خون دل است اینکہ بجام است
ہر قطرہ کہ از دل نہ ترا دیدہ حرام است

حکیم شفائی :-

بادہ کز خوں نبود آفت جام است اینجا
ہر چہ افشردۂ دل نیست حرام است اینجا

اسی طرح ثبات نے تقریباً پانچسو شعر پیش کیے ہیں۔ یہ امر ایسا نہ تھا کہ خان آرزو کے اعتراضات کی طرح شیخ صاحب ان کی طرف توجہ کرنا اپنی شان کے خلاف سمجھتے۔ چنانچہ شیخ صاحب کو اس کے متعلق زبان کھولنی پڑی اور ایک بڑا قطعہ عذر توارد میں لکھا جو بطور انتخاب یہاں درج کیا جاتا ہے :-

بخدائے کہ از اشارت کن — عالمے را نمودہ معماری
کہ مرا شعر و شاعری عار است — کاش بودم ازیں ہنر عاری
بارہا خواستم کزیں ذلت — دوش خود را دہم سبکساری

نکتہ بیخواست میرسد بہ لبم   چوں طبیعیت نغز گفتاری
در نوشتن بسے مطالب رفت   یک نوشتم ز صد بدشواری
زانچہ ہم بر زبان خامہ گذشت   شد پریشاں بسے ز بیزاری
پارۂ ہم بقید ضبط آمد   ہمچو در نافہ مشک تاتاری
سی ہزار است در چہار کتاب   نظم کلک بدایع آثاری
تنگ شد در فراخنائے جہاں   خامۂ من ز تنگ مضماری
کلکم آں طوطی شکر شکن است   کہ بود شہرہ در شکر باری
چشم دارم کہ چوں گہر سنجے   گہرم را کند خریداری
گر بہ بیند میان اینہمہ گنج   کہ فشاندم بدست بیزاری
لفظ و مضمون غیر را کم و بیش   کہ بر آں گشتہ خامہ ام جاری
رفعت پایہ بیند و ہنرم   ننہد تہمتم بطراری

....

ہمت و مایہ ام ازاں بیش است   کہ مرا گدیہ خوئے پنداری

....

نتواں چارہ توارد کرد   نہ زخرم و نہ از جگر خواری
رسی آنگہ بدرد ما کہ چو ما   خامہ گیری بدست و بنگاری

جو لوگ اس فن کی راہوں سے واقف اور اس کے سالک ہیں انہیں بڑی

حد تک شیخ کے پیش کردہ عذرات کی منظوری میں تامل نہیں ہو سکتا۔ شیخ کا
پایۂ علم و فضل اس قدر بلند اور ان کی فطرت اس قدر غیور واقع ہوئی
ہے کہ ان کی نسبت کوئی معقول شخص یہ بدگمانی نہیں کرسکتا کہ انہوں نے
دیدہ و دانستہ کسی شاعر کا کلام سرقہ کرکے اپنے کلام میں شریک کرلیا
ہوگا۔ فارسی زبان کی شاعری' قافیے اور ردیف کی حدود سے ایسی جکڑی
ہوئی ہے کہ شاعر ان حدود سے باہر قدم نہیں رکھ سکتا اور قافیہ اور
ردیف جس طرف اسے لے چلتی ہے وہی راستہ اُسے چلنا پڑتا ہے علاوہ اس
کے ہر زمانہ میں چند خیالات ایسے ہوتے ہیں جو عام طور سے رائج اور شایع
ہوتے ہیں اور شاعر کو قبولیت عام حاصل کرنے کے لیے اسی دائرہ کے
اندر رہنا پڑتا ہے' اگر خیال کی بلند پروازی سے وہ ان خیالات سے اونچا
جانا چاہتا ہے تو خیال کی غیر مانوس ہونے کی وجہ سے اچھا سے اچھا
مضمون بھی بدمزہ ہو جاتا ہے ہمارے ایک مہربان نے حضرت امیر خسرو
علیہ الرحمۃ کے مشہور قصیدہ بحر الابرار کے طرز پر ایک قصیدہ لکھا تھا۔ اور
اس میں علوم جدیدہ کے اصطلاحات اور اسی کی مثالوں سے کام لیا
تھا۔ اگرچہ وہ اچھے اور پختہ مغز سخن گو تھے' مگر ان کے اس قصیدہ کی داد ملنا
تو درکنار سمجھنا بھی مشکل ہو گیا' مثلاً ان کا ایک شعر یہ تھا ؎

میکشد دور زماں ہر شئے بوضع خویشتن   تیک ساعت نیز صورتگر چو تیک زرگر است

تپنک فارسی زبان میں ہتوڑے کو کہتے ہیں گھڑی میں ایک پرزہ ہوتا ہے
جو (ہیمر) ہتوڑے کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ کہنے والے کا مطلب یہ
تھا کہ زمانہ ہر شے کو اپنے مطابق کر لیتا ہے، ساعت یعنی گھڑی کی ہتوڑی بھی
سنار کی ہتوڑی کی طرح کام کرتی ہے، اور ہر چیز کو ٹھوک دھاک کر اپنی وضع
پر لے آتی ہے۔ غرض قافیہ اور ردیف کے ساتھ ساتھ مروجہ خیالات بھی شاعر
کے میدان تخیل کو محدود کر دیتے ہیں۔ ان سب کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب
چند اشخاص ایک خاص طرح میں فکر کرتے ہیں تو اُن کے اذہان ایک
ہی طریقے پر چلتے ہیں اور جب بحر میں زیادہ گنجایش نہیں ہوتی تو مصرع کے
مصرع یکساں نکلتے چلے آتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس موقع پر علم نفس کا
مسئلہ شعور (کانشسنس) اور تحت شعور (سب کانشسنس) بھی
متعلق ہو جاتا ہے یعنی یہ کہ بہت سے امور ایسے ہوتے ہیں جن کے آثار
حافظہ میں محفوظ ہوتے ہیں مگر ان کا انسان کو شعور نہیں ہوتا اور ان کو
بھولا ہوا تصور کرتا ہے۔ اکثر شعرا کو ایسا اتفاق ہوا اور ہوتا ہے کہ انھوں
نے کسی کا ایک شعر یا کوئی مضمون سنا اس پر مدت گذر گئی اور وہ اسے
بھول بھال گئے، اب جس وقت وہ کسی مضمون یا شعر پر غور کرنے کے لیے
بیٹھے اور قوائے دماغی پر زور پڑا تو اس شعر یا مضمون کے بعض بعض اجزا
روشن ہو گئے جنھیں انہوں نے اپنے غور اور فکر کا نتیجہ تصور کر لیا حالانکہ وہ ایسے

شعر یا مضمون کے اجزا ہوتے ہیں جو کبھی گوش گزار ہوچکا ہوتا ہے۔ یہ بھی توارد کا ایک ذریعہ ہے۔ جو کچھ اسباب توارد یہاں مختصراً بیان کیے گئے ان کا عملی ثبوت روزمرہ ملتا ہے، ایک طرح دیجاتی ہے مختلف شعرا اس پر کہتے ہیں اور ان کے مصرعے اور بعض اوقات شعر کے شعر یکساں پائے جاتے ہیں اس کی نسبت کسی طرح یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انہوں نے ایک دوسرے سے سرقہ یا انتحال کیا ہے۔

غرضکہ شیخ پر سرقہ کا الزام عاید ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو مگر وہ اس الزام سے کسی طرح بری نہیں ہو سکتے کہ انہوں نے اپنی زبان درازی اور بددماغی سے اس پاک وصاف آب وہوا کو جس میں ایرانی اور ہندوستانی شعرا سانس لے رہے تھے کثیف اور متعفن کر دیا۔ ہندوستانی شعرا جو اب تک اہل ایران کو وقعت اور عظمت کی نظر سے دیکھتے تھے بیزار ہوکر ایرانی شعرا پر اعتراض کرنے لگے۔ اس زمانہ میں اکثر ایرانی دہلی میں چینی کے برتنوں کی تجارت کرتے تھے، اکثر شعرا نے اس پر چوٹیں کی ہیں۔ میر محتشم علی خاں حشمت دہلی کے مستعد شعرا میں تھے اس زمانہ میں انہوں نے ایک غزل کہی "معمور میگردد مخمور میگردد" اس میں حشمت نے مقطع کہا تھا

نہ ہر ایرانیٔ ہمطرح حشمت میتواند شد
نہ ہر چینی فروشے ہمسر فغفور میگردد

ایک دوسرے شاعر شوکت نورانی نے بھی اسی طرح ایرانیوں پر چوٹ کی ہے وہ کہتا ہے۔

ما زبانِ اہل ایراں را بہ موئے بستہ ایم
دست ایں چینی فروشاں را بہ موئے بستہ ایم

صاحب تذکرۂ حسینی لکھتے ہیں کہ والہ داغستانی نے میر حشمت کا دیوان دیکھنے کے لیے منگایا تھا، جب ان کی نظر مقطع متذکرۂ بالا پر پڑی تو انہوں نے ان کے دیوان کے حاشیہ پر اس مقطع کے محاذی یہ بیت لکھ دی ؎

حریف نالۂ دلہائے زار ما نہ حشمت
مزن انگشت بر لب چینیٔ فغفوریٔ ما را

قریب تھا کہ والہ داغستانی اور حشمت میں ایک دوسرا ہنگامہ اٹھ کھڑا ہو مگر حشمت اور والہ داغستانی دونوں کی سلیم الطبعی نے یہ نوبت نہ آنے دی۔

اس سوال کا جواب دینا ہمارے لیے سخت مشکل ہے کہ شیخ نے ہندوستان کے دوسرے شہروں کو چھوڑ کر جو بلحاظ آب و ہوا اور اسلامی علمی صحبتوں کے بنارس سے بدرجہا بہتر تھے، بنارس کو کیوں منتخب کیا، اور وہ کیا چیز تھی جس نے باوجود ہندوستان سے متنفر ہونے کے ان کو اس کہنے پر مجبور کیا (اگر یہ مقولہ انہیں کا ہے)

از بنارس نروم معبد عام است اینجا
ہر برہمن بچہ لچھمن و رام است اینجا

بنارس بے شک معبد عام اور ہندوؤں کا مقدس اور متبرک شہر ہے، اور صبح کے وقت گنگا کے کنارے نہاں اور مندروں میں پوجے کی وجہ سے بڑی چہل پہل اور رونق رہتی ہے اور اسی سماں اور منظر کی وجہ سے شام اودھ (اجودھیا) کی طرح صبح بنارس بھی مشہور ہے، اول تو یہ امور ایسے نہ تھے جو نظاہر شیخ کے لیے باعث ترغیب ہوتے، دوسرے جو مقام انہوں نے اپنے قیام کے لیے منتخب کیا تھا وہ شہر سے علیحدہ اور گنگا کے خوشنما مناظر سے بہت دُور تھا، انہیں کے قیام سے وہ مقام رفتہ رفتہ ایک محلہ ہو گیا جس کا نام "فاطمان" ہو گیا۔ بعض احباب کے زبانی معلوم ہوا کہ اس زمانہ کے حاکم بنارس کی قدر دانی ان کے قیام بنارس کی محرک ہوئی۔ ممکن ہے کہ ایسا ہو مگر ہمیں اس کا پتہ کسی معتبر تاریخ یا تذکرہ سے باوجود تلاش کے نہ مل سکا۔ ایسی حالت میں شیخ کے قیام بنارس کے متعلق اگر کوئی قیاس ہو سکتا ہے تو وہ یہ ہے کہ دہلی اور لاہور وغیرہ میں قیام کی بدمزگیوں اور جھگڑوں نے انہیں اس طرف مائل کر دیا ہوگا کہ وہ اپنے لیے کوئی ایسا مقام منتخب کریں جہاں وہ شاعرانہ نوک جھونک اور معترضین کے طعن و تشنیع اور ان کی آمد و رفت سے محفوظ اور مصئون رہیں

اگر یہ قیاس صحیح ہے تو اس مقصد کے لیے ہندوستان کے بڑے شہروں میں سے کوئی شہر بنارس سے بہتر دستیاب نہیں ہو سکتا تھا۔ وہاں کے باشندے اپنے مذہبی عبادات اور خیالات، اور زائرین کی آمد و رفت کی وجہ سے اپنی تجارتی اور معیشتی کار و بار میں مصروف تھے۔ وہاں کی مخلوق کو فارسی زبان اور اس کی شاعری سے کوئی تعلق یا مناسبت نہ تھی۔ اور شیخ ایسا ہی مقام چاہتے تھے۔

ہم نے اپنے بعض احباب کی زبانی سنا ہے جنھیں بنارس یا اس کے قرب و جوار میں رہنے کی وجہ سے اس قسم کے تفصیلات کے معلوم ہونے کا پورا موقع حاصل تھا کہ شیخ صاحب بنارس کے قیام کے زمانہ میں امیرانہ تزک و احتشام کے ساتھ رہتے تھے۔ حاجب، دربان، شاگرد پیشہ سب ہی کچھ تھے۔ دسترخوان وسیع تھا جس سے اکثر مسافرین اور متوکلین فیضیاب ہوتے تھے۔ شیخ صاحب نے ایران کی وضع پر ایک عالیشان ایوان تعمیر کرایا تھا جس کا ایک حصہ اب تک موجود ہے اسی میں شیخ صاحب امیرانہ وضع سے اٹھتے بیٹھتے اور لوگوں سے ملتے جلتے تھے۔ اسی کے سامنے اس وقت ان کا مزار ہے جس کا پتھر اور کتبہ انھوں نے اپنی زندگی ہی میں تیار کرالیا تھا اور وقت کے منتظر تھے بمقررہ وقت آیا، اور شیخ صاحب نے تقریبًا ، سال دنیا کے بڑے بڑے عبرتناک تماشے اور حیرت انگیز نشیب و فراز دیکھ کر آنکھیں بند کرلیں، اور آرام کی نیند

سو گئے۔ جب آپ اُن کی مزار کے سامنے فاتحہ کے لیے کھڑے ہوتے ہیں
اس وقت ان کے علم و فضل، اُن کے پر آشوب زمانہ کے واقعات ان کے دور و دراز
سفروں، مصیبتوں اور علالتوں کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے اور
ان کی بد دماغیوں اور زباں درازیوں کا دل پر کوئی اثر باقی نہیں رہتا۔

کتابہ کی عبارت

روشن شد از وصال تو شبہائے تار ما　　صبح قیامت است چراغ مزار ما

زباں دان محبت بودہ ام دیگر نمیدانم
ہمی دانم کہ گوش از دوست آوازے شنید اینجا
حزیں از پاے رہ پیما بسے فرسودگی دیدم
سر شوریدہ بر بالین آسایش رسید اینجا

پڑھ کر دردمند دل بھر آتا ہے اور بے اختیار زبان سے نکلتا ہے اللھم
اغفر وارحمہ وانت خیر الراحمین۔

زندہ در عالم تصویر ہموں نقاش است
خواب غفلت ہمہ را بردہ و بیدار یکے است

فقیر حقیر شاد عفی عنہ
حیدرآباد دکن
سنہ ۱۳۲۸ ہجری

مولانا آہلی شیرازی

کلیاتش بدوازدہ ہزار بیت بنظر رسیدہ از اشعار اوست:—

ہر چند کہ از جور تو ام خوں رود از دل   از در چو در آئی ہمہ بیروں رود از دل

امروز عیاں شد کہ نداری سر آہلی   بیچارہ غلط داشت بہر تو گمانہا

ترا کہ طاقتِ آہے ز خوئے نازک نیست   چرا بسنگِ جفا دل شکستۂ مارا

بچہ اندیشہ ام از خاطرِ ناشاد روی   چہ بخاطر گذرانم کہ تو از یاد روی

از دیدہ رفت و از دلِ پُر خوں نمیرود   در دل خیال نشستہ کہ بیروں نمیرود

فریاد کہ بر جانِ من ایں داغ نہانی　　از دست کسے نیست کہ فریاد تواں کرد

اے خو بجفا کردہ بہر دم چہ فریبی　　دانم کہ فرامش نہ کُنی عادتِ خود را

لحظہ باش کہ از شوق تو آیم بہوش　　گر پئے پُرسشِ حال آمدہ بر سرِ ما

ازاں زماں کہ چو گُل در کنارِ من بودی　　ہنوز خرقۂ پشمینہ مشکبوست مرا

تا گوشۂ چشمے بمن آں سیمتن انداخت　　خوبانِ جہاں را ہمہ از چشمِ من انداخت

بے سوز و محبت نتواں دل بہ بتاں بست　　داغیست غمِ عشق کہ بر خود نتواں بست
چوں لب بکشودم کہ شکایت کنم از وے　　خندید و منِ سوختہ را باز دہاں بست

ہر چند کہ ابروئے تو جز رہزنِ دیں نیست　　محراب دعائیست کہ بر روئے زمیں نیست

زاہد برہِ کعبہ رود کیں رہِ دین است　　خوش می رود اما رہِ مقصود نہ این است
امروز کہ عشقِ تو بعالم زدہ آتش　　آسودہ حریفے است کہ در زیرِ زمین است

بے تو چو شمع کردہ ام گریہ و خندہ کار خود   خندہ بروزِ دل کنم گریہ بروزگار خود

دروغ وعدۂ من خلق در فغاں دارد   کہ ہمچو غنچہ دہانے و صد زباں دارد

تا روزِ حشر کم نہ شود سوزِ داغِ ما   ہرگز بہ یمن عشق نمیرد چراغِ ما

اُمیدِ صبح نیاسود چشمِ راحتِ ما   سپیدہ دم نمکے بود بر جراحتِ ما

خواہم غبار گردم در کوئے او درآیم   تا ہر کہ بیند اورا در چشمِ او درآیم

من سوختۂ داغ دروں بر درِ عشقم   گر کعبہ شوم حلقہ بگوشِ درِ عشقم

اکنوں کہ تنہا دیدمت لطفے ار نہ آزارے بکن
تلخے بگو، سنگے بزن، تیغے بکش، کارے بکن

دامے نہادہ آں مہ از زلف تاب دادہ   صیاد وار بہ چشمش خود را بخواب دادہ

من اگر شکستہ عہدم تو وفائے خود نگہ کن ‏ ‏ بخطائے من چہ بینی بعطائے خود نگہ کن

ہر لالۂ سیراب کہ سر بر زند از سنگ ‏ ‏ بے خون و دل و دیدۂ فرہاد نباشد

یا من ناصبور را سوئے خود از وفا طلب

یا تو کہ پاک دامنے صبر من از خدا طلب

دوائے داغ دلم صبر شد چہ چارہ کنم ‏ ‏ کہ مرہم دلم از داغ بیشتر سوزد

اہلی کنوں کہ عقل و دل و دیں ز دست رفت ‏ ‏ فارغ نشیں کہ بر دہ ویراں خراج نیست

خواجہ آصفی

ولد خواجہ نعیم الدین شیرازی است کہ وزیر سلطان ابوسعید بود کلیاتش قریب بچہار ہزار بیت بنظر رسیدہ از انجملہ است :-

---

دل کہ طومار وفا بود من محزوں را ‏ ‏ پارہ کردند ندانستہ بتاں مضموں را

بسے خود را در آب دیدہ چوں ماہی وطن دیدم
کہ تا قُلّاب زنفش را بکامِ خویشتن دیدم

چو در خوابم در آئی بخت بد از بہرِ محرومی
مرا بیدار می سازد کہ یار آمد چہ خواب ست ایں

من طور و تجلّی چہ کنم بر لبِ بام آئے   کوئے تو مرا طور و جمال تو تجلّیست

آمدم مست بکوئے تو و مجنوں رفتم   خبرم نیست کہ چوں آمدم و چوں رفتم

مجنوں لباس کعبہ سیہ دید و حال کرد   گویا سیاہ خیمۂ لیلےٰ خیال کرد

در دشت دلم آہ چناں شد کہ زگرمی   مرغانِ خدنگ تو کشادند دہنہا

سبب چاک گریبان منِ خستہ مپرس   کہ شبِ غم باجل دست و گریباں بودم
ریخت کافر بچۂ خونِ مسلماناں را   یاد آں روز کہ من نیز مسلماں بودم

زفرقت تو بسے زار و ناتواں شده ام — ز قحط آب چمن چوں شود چناں شده ام

بیاد دیده زہے سرخ گلعذاراں را — بود شگوفۂ بادام نوبہاراں را

چنداں مپیش دہید کہ بیہوشی آورد — شاید کہ نام ما بفراموشی آورد
پر گفتگو ست مرحلۂ غم اجل کجاست — تا رختِ ما بوادئ خاموشی آورد

صد غنچۂ پیکاں بدلم رنگ بر آورد — گلہائے امیدم ہمہ ایں رنگ بر آورد

دستِ ترا گرفتہ طبیب از پئے علاج — ایں دست را ببایداں دست احتیاج

صحبت غنیمت است مبادا چو آفتاب — صبحے سرے برآری و شامے فرو بری

چہرۂ لالہ رخاں بہرِ عتابم مفروز — بر من آتشکدہ مپسند گلستانے را

در گلستاں چو نسیم تو وزیدن گیرد — چشم نرگس بسرِ سبزہ پریدن گیرد
چوں رخت آئینہ را خرمنِ آتش گیرد — ہر طرف سوختہ آہ کشیدن گیرد

چو آرد در جنوں سرو رواں را نخل بالایش
صدائے آب باشد نالۂ زنجیر در پایش
بخاکِ آنکہ بینی لالہ را ہر سو قدح پیما
بہارِ رفتہ دیدم با حریفاں بادہ پیمایش

ملّا امیدی رازی

اشعارش بعد از واقعہ مقتول شدن او از میان رفتہ سوائے ہفدہ قصیدہ وچند رباعی و چند بیت از ساقی نامہ چیزے یافت نمی شود از انجملہ است :-

خوش آنکہ چاک گریباں بناز باز کنی نظر براں تنِ نازک کنی و ناز کنی

اے چغد بہ ویرانۂ ما خانہ نسازی ترسم کہ تو ہم با منِ دیوانہ نسازی

کاش گردوں از سرم بیروں برد سودائے تو
یا مرا صبرے دہد چندانکہ استغنائے تو

تو ترک نیم مستی، من صید نیم بسمل کارے تو از من آساں کام من از تو مشکل

شب قصّۂ ہجرانِ جگر سوز کنم   روز آرزوئے وصل دل افروز کنم
القصّہ کہ دور از تو بصد خونِ جگر   روزے بشب آرم و شبے روز کنم

مستی و میروی پئے آزار خلق آہ   خود راد گر بر آتشِ آہ کہ میزنی
زلفت کمند افگن و چشمت کمیں کشا   با لشکرِ چنیں بسپاہِ کہ میزنی

ملّا خُراسانی

دیوانش قریب بسہ ہزار بیت بنظر رسیدہ :—

گرہ شد در دلم صد آرزو از رشک نخچیرش
کہ او از زخمِ پیکاں مرد و من از حسرتِ تیرش

بے غم عشق تو صد حیف ز عمرے کہ گذشت
پیش ازیں کاش گرفتار غمت می بودم

در کشورِ عشاق دلے شاد نباشد   یکخانہ ز تاراج غم آباد نباشد

من کہ چوں لالہ کفن غرقہ بخوں آمدہ ام   از دلِ خاک بعشقِ تو بروں آمدہ ام

ساختم در سینہ جا پیکان آں دلدار را
باید از آہن دلے جور و جفائے یار را

آرزو دارم کہ بیند کُشتہ آں بدخو مرا   وہ کہ خواہد کشت آخر آرزوئے او مرا
در غم دل چند کاہد جان غم فرسود من   نیست ایں دل دشمن جانست در پہلو مرا
درمیان صد الم دارم غم نادیدنت   جانِ من اینہا ہمہ سو، و ایں یکسو مرا

از راہ دیدہ در دل تنگم در آمدی   از دل قرار بُردی و از دیدہ خواب را
حیران صنع ایزد پاکم کہ قدرتش   بخشد لطافت ایں ہمہ یک قطرہ آب را

اگر افتد گذر بر خاک من جولاں کناں او را   غبار من زرہ برخیزد و گیرد عناں او را
شدم خاک و ہنوز آں شہسوار از من عناں تابد   الٰہی بر مرادِ خویش بینم کامراں او را
بہر موئے دلے آویختہ زاں کاکُل مشکیں   باہل دل عجب نبود کہ بینم سرگراں او را
گہ از مہر و وفا گویم گہ از جور و جفائے او   گہے نامہرباں بینم و گہ مہرباں او را

شیخ ابو القاسم گازرونی

فاضل کامل است دیوانش قریب بدو ہزار بیت مشتمل بر اقسام شعر بنظر رسیدہ
از انجملہ است:—

اجل کجاست کہ برہم زنیم سلسلہ را رہا کنیم حریفانِ بد معاملہ را

بہ لوحِ دل چو نسخۂ تعلیم کودکاں ہر حرف آرزو کہ نوشتم خراب شد

در کارِ ما شکست نہ از سنگ دشمن است
خود بر زند بسنگِ ملامت سبوئے ما

زباں شکوہ ندارم وگرنہ میگفتم کہ دوستیٔ تو مارا بکام دشمن کرد

ز سعجزہائے عشقت اینکہ شبہا بر سرِ کویت
نگاہ بام و در را لذتِ دیدار می باشد

ابوتراب بیگ فرقتی

پسر مرزا علیخان انجدانی، اول کامی و آخر فرقتی تخلص نموده اشعارش
تخمیناً چهار هزار بیت بنظر رسید، از انجمله است :—

هر قطره که از دیدهٔ گریان من افتاد — سیلی شد و در خانهٔ ویران من افتاد
بر یاد سرِ زلف تو آهی که کشیدم — برقی شد و در خرمن یاران من افتاد

گلش داغ و نسیمش آه و سروش شعلهٔ آتش
بیا سامانِ بستانِ محبت را تماشا کن

باز کارم بجگر کاوی دشمن افتاد — زینت خنده‌ام از لب بگریبان افتاد

تو بدین خوبی اگر از درِ بستان گذری — چون نفس سوختگان گل بتماشا آید

دلِ مجروحی از آن خنجر مژگان دارم
گریهٔ گرمتر از خون شهیدان دارم
شادمانم ز پریشانی دل زانکه مدام

خبر از حالتِ دلہائے پریشاں دارم
لب پُر از آہ و دروں پر زخیالِ رُخِ دوست
در نفس دوزخ و در سینہ گلستاں دارم
ترک او کردہ ام امّا ز خمارِ لبِ او
حالِ میخوارہ از توبہ پریشاں دارم

بلا سجود کند پیش در دِ حرمانم　　اجل پیادہ رود در رکابِ ہجرانم

نقدِ غمِ ترا ہمہ در سینہ می نہم　　وز داغ مُہر بر درِ گنجینہ می نہم
عریانیم رسید بجائے کہ بعد ازیں　　مکتوبِ یار در بغل و سینہ می نہم

ہرگز زلبِ دوست پیامے نشنیدیم　　گوئی کہ حرامست شکر بر مگسِ ما

چوں گلِ تازہ کہ در آب نگہ میدارند　　عکسِ رخسارِ تو در دیدۂ پرنم دارم

اگر برکف نہم مے ساغرم گرداب خوں گردد　　وگر بر سر زنم گل پنبۂ داغِ جنوں گردد
شود گل بر مزارِ کوہکن پژمردہ از غیرت　　نسیمے گر بگرد لالہ زارِ بیستوں گردد

دیدہ نرگس از زمیں سر مہ کشیدہ سر زند　　سوئے چمن گر افگنی نرگس سرمہ سائے را

ندانم تا بکے از دور در رخسار او بینم　　نگہ را طائرم کردۂ گلزار او بینم

بہار آمدکہ ہر سو عندلیبے در خروش آید
کند بلبل فغان و نالۂ عاشق بگوش آید
تہی شد مخزن چشمم ز دُرِّ اشک از غیرت
چو بینم چشم اشک آلودۂ خونم بجوش آید

میر ابو الحسن فراہانی

برخاک کفِ پائے تو چوں رُخ مالم　　در خانہ نگنجد تنم از بس بالم
وصلِ تو بجت نیک ہم نتواں یافت　　بیہودہ ز بخت بد خود می نالم

شوخی کہ گسستہ بود پیماں از من　　بنشست برم کشیدہ داماں از من
چوں بوئے گلے کہ با صبا آمیزد　　ہم با من بود و ہم گریزاں از من

ازگریہ اگرچہ یار ہمدم نشود آں ہست کزو درد دلے کم نشود
ازگریہ ابر خار خشک اندر باغ زانش بر ہد اگرچہ خرم نشود

ملا ابو الحسن فاضل کاشانی

مشہور ولد ملا احمد مجتہد صاحب مصنفات عالیہ است گاہے شعر میگفتہ ازوست:-

سوزم چو ہمن گرم در ائی کہ مبادا
ایں مہر و وفا باد گرے داشتہ باشی

بادشاہ عالیجاہ **خان احمد خان** حسینی بادشاہ گیلان ازوست:-

شام فراق کار من زار مشکلست صبح وصال گرند ہد کار مشکلست
جاں دادنم بہ بینش تو آساں بود ولے محرومیم ز دولت دیدار مشکلست

سوزاں ز آتشیں دل ز انساں بحشر ایم
کز سوز دل گریزد روز قیامت از من

ناصح بگو کہ قطع نظر چوں کنم ازو   حسنش ہمان و عشق ہمان دل ہمان بود

اغیار بروز گار حیرانی ما   دلشاد شدند از پریشانیِ ما
سہلست اگرچہ ما پریشاں باشیم   جمعی شادند از پریشانیِ ما

عشق تو بروں زتن نخواہد رفتن   تا جاں زبدن بروں نخواہد رفتن
گفتے کہ بروں کن از دلت مہر مرا   ایں از دلِ من بروں نخواہد رفتن

ایں رباعی در حبس قلعہ قہقہہ گفتہ بشاہ طہماسپ فرستاد

از گردشِ چرخ واژگوں میگریم   وز جورِ زمانہ بیں کہ چوں میگریم
با قدِ خمیدہ چوں صراحی شب و روز   در قہقہہ ام ولیک خوں میگریم

اختری یزدی

دو ہزار بیت تخمیناً اشعارش بنظر رسیدہ، ازاں جملہ ایں اشعار پسند افتاد:—

بروزِ محشر گر بود دستی شہیدانِ ترا
کار خواہد بود مشکل طرف دامانِ ترا

زاں دم کہ چشیدم نمکِ خوانِ محبّت   ہر چیز کہ خوردم مزۂ خونِ جگر داشت

آہ من و آتش گل یک باغچہ بودند
من از دل و شمع از سرِ دستار برآورد

حکم عشقست کہ در کوئے تو افغاں نکنم
تا ترا از ستم کردہ پشیماں نکنم
از در شش برد مرا سیل سرشک آخر کار
آخری چوں گلہ از دیدۂ گریاں نکنم

ہلاکم میکند در عشقبازی رشکِ پروانہ
کہ گاہے رخصت برگردِ سر گردیدنی دارد

ترسم کہ نامہ ام برساند صبا بیار   بد کرد جاں کہ ہمرہ بادِ صبا نرفت

مُلا اختری ترشیزی

چند بیت بخط او در مجموعہ دیدم و ازاں است بخاطر ماندہ :-

از ہجومِ چُغد در ویرانۂ ما جا نماند　　آں چناں آباد شد اختر کہ ما بیخوابستیم

مُلا اثری مشہدی

تا در سرم خیال تو خود کام تازہ شد　　آئینِ عشق از منِ بدنام تازہ شد

بغربتم غمِ ایں می کُشد کہ بے تو مباد　　بمیرم و تو ز حالم خبر ناشنیدہ باشی

در عمر خویش مرحلہ پیمائے شوق را　　چنداں اماں نبود کہ خارے ز پا کشد

میر احسن

خُوبانِ زمانہ جملگی سیم طلب　　عشاق فتادہ در طمعہائے عجب
افسوس کہ از گردشِ دورانِ دو رنگ　　در حُسن حیا نماند و در عشق ادب

حکیم ابو طالب تبریزی

اشعارش متفرق بنظر رسیده و در فترت تبریز در زمان شاه عباس ماضی کشته شد:—

یار با غیر و غم ہجر در آغوشم بود مرگ صد بار به از زندگی دوشم بود

طالب نداشت تاب نگاهِ تو روزِ مرگ
پوشید چشم و دادنِ جان را بهانه ساخت

مرزا جعفر

بن بدیع الزمان قزوینی مخاطب بآصفخان شعر بسیارے دارد بعضے ازانها درست افتاده:—

آماده گشته ام دگر امشب نظاره را پیوند کرده ام جگر پاره پاره را

بترس از تیر آهِ من که چوں شد گرم نالیدن
دلِ دیوانهٔ من دوست از دشمن نمیداند

بلبلے وقتِ سحر گشت ہم آوازِ من — نالۂ کرد کہ نگذاشت مرا باز بمن

بہائے خونِ من و خوں صد لسانِ منّت — کہ من بخوں طپیم و قاتلم نظارہ کند

صبا بیگانہ و مرغِ چمن نامحرم است اینجا
خوشا محشر کہ آنجا نامہ در پرواز می آید

کسے ز خونِ حریفانِ خود شراب نخورد — بہ غبطتے کہ تو خوں میخوری کس آب نخورد
بدورِ عربدہ خوئے چنیں عجب دارم — کہ سنگِ حادثہ بر جامِ آفتاب نخورد.

علامۃ العلماء **خواجہ افضل الدین محمد** ترکہ اصفہانی علیہ الرحمۃ از وست:-

گر دامنم از خونِ دل آلودہ شد عیبم مکن
بر جانِ عصمت تا ابد رشکست زیں آلودگی

کم داں ہر چند آساں در غمت جاں دادہ ام
در غمت جاں دادہ ام ہر چند آساں دادہ ام

بازم بسوئے میکدہ مست آوری — در خانۂ دیں من شکست آوردی
گہ سبحہ بدستم دہی و گہ زنّار — اے عشق مرا بگو بدست آوردی

محمد اقدس اقدسی مشہدی

نیم در بند آں کز خانہ کے جاناں بروں آید
براہِ انتظار افتادہ ام تا جاں بروں آید

انصاف بیں کہ ساقیِ مجلس بدورِ ما — مے آنقدر بجام نریزد کہ بو کنم

خواہم ز مشامِ دگراں بوئے تو دزدم — میلِ دلِ شاں از خمِ ابروئے تو دزدم
تا خوش نہ کند غیر مشامِ دلِ خود را — از بادِ صبا نکہت گیسوئے تو دزدم
چوں باد ازاں سیر سرِ آشفتہ کہ خواہم — نقشِ قدمِ بوالہوس از کوئے تو دزدم

ملا آگہی یزدی

عہد بستم کہ ازیں بیش غمِ عالم نخورم — توبہ کردم کہ دگر بادہ خورم غم نخورم

بہ من شیوہ ہائے دلبری را بد نمی داند — ولے دلداری آں نوعے کہ می باید نمی داند

میر آگہی

سعد آبادی ہمدانی، نامش میر عماد الدین محمود است، دیوانش تخمین پنجہزار بیت بنظر رسیدہ اوست :-

دو عالم گرچہ بر روئے نگارم حجاب آمد
ز پیدائی جمالش در نظر پیش از نقاب آمد

نیلوفرم بچشمۂ مہر و وفا ولے — در روزگار تربیتم آفتاب نیست

انیسی یولقلی بیگ شاملو

از شجاعان و سخن سرایان مشہور است :-

غمے بتازہ برم ہر زماں بخانۂ خویش — چنانکہ مرغ برد خس بآشیانۂ خویش

نیاز بوالہوس را گر بصحبت نام خواہی کرد — وفا را سست پیماں آرزو را خام خواہی کرد

دستی که در آغوشش تو آوردنیستی   دستیست که در گردن غمهای تو دارد

یادگارِ ما درین منزل غم بسیار ماند
شمع رفت امّا نشانِ دود بر دیوار ماند

چو مرغِ نیم بسمل می طپید تا حشر از شادی
بخوں غلطیدۂ شمشیر او مردن نمیدانم

وصل تو کجا و جانِ مهجور کجا   خفاش کجا و رویت نور کجا
هر چند ز سوختن نه ترسد آخر   پروانه کجا و آتشِ طور کجا

من مست و تشنه‌ام شرابم ندهید   در آتشم افگنید و آبم ندهید
گر شکوه کنم و گر عتاب آغازم   با اوست حدیثِ من جوابم ندهید

در شرابِ عشقم تهی کردیم صد میخانه را
ساقیِ ما همچناں پُر می دهد پیمانه را

ایزدی یزدی

شعرش متفرق دیده شد، از وست :—

اے ساقی بادۂ محبت جامے　　وے صد غمزۂ بتان پیغامے
تا کے ہدف تیر تغافل باشم　　قہرے لطفے تبسمے دشنامے

مولانا بانی

شخصی از مصاحبان ہمایون بادشاہ بودہ، از وست :—

بردند دلم عشوہ گرے لب شکرے چند　　غنچہ دہنے سرو قدے سیمبرے چند
دیر است زبیداد بتان دیر نشین است　　بانی چہ برآید ز خدا بیخبرے چند

بساطی سمرقندی

بوریا باف، شعرش بسیارے درہم بافتہ، با کمال خجندی معارضہ و مباحثہ آغاز نہاد، و شیخ کمال او را نفرین کرد، ہماں وقت درگذشت، ایں مطلع از وست :—

دل شیشہ و چشمان تو ہر گوشہ برندش　　مستند مبادا کہ بشوخی شکنندش

بقائی خوارزمی

از دست :-

نمیخواہم کہ دل در بند آں زلفِ دوتا افتد
چرا از پہلوئے من دردمندے در بلا افتد

ملا بیدل باچی

می برد ہر کس بہ پیش یار از جاں تحفۂ
ما تہیدستانِ بیدل شرمساری میبریم

بی بی بیدلی

"در مجالس میر علی شیر نوائی" بنظر رسیدہ کہ وے والدہ شیخزادہ انصاری است
کہ ہمشیرۂ شیخ عبداللہ دیوانہ است و در ہرات می بود:-

روم بباغ و ز نرگس دو دیدہ وام کنم
کہ تا نظارۂ آں سرو خوشخرام کنم

پیر صد ساله

هم در مجالس امیر علی شیر بنظر آمده که نامش درویش علی ست چون باین عمر رسید
این لقب یافت، اظهار طبابت و تصوف هر دو می نماید این رباعی از وست :-

منمائے بغیر من رُخ اے سیم ذقن — کز غایت غیرتم رود جان از تن
خواهم که شوم مردمک دیدهٔ خلق — تا روئے تو هیچکس نه بیند جز من

مولانا کمال الدین بنائی

در فضل و هنر عجوبۂ زمان خود است، نامش میر علی
و میر علی شیر همیشه از نکته گیریها و هزلهائے نمکین او از و اندیشناک
می زیسته و همچنین ملا جامی از بیم زبان و دخلهائے بجائے او هراسان
می زیست، نقلست که چون سلطان حسین میرزا وفات یافت
روز سیم فرزندان و یارانش جمع آمده نشستند و هر کس از شعرا
مرثیه و تاریخے که گفته بود میگذرانید، بعد از همه ملا بنائی این دو بیت
را خوانده عزا را به شگفتگی مبدل ساخت :-

شاه سلطان حسین بایقرا — از جهان رفت غم نباید خورد

مغلیه کوچیکه برفت برفت   کهنه پیسر اوزبکی بمرد بمرد

زان میخورم شراب که بیهوشی آورد
واز نیستی مرتبهٔ اوست فراموشی آورد

در چمن سینه کنان بی گلِ رویت بودم   ماند در سینه چو گل ناخنِ خون آلودم

این خالها بروی تو از مشکناب چیست
چندین ستاره سوخته بر آفتاب چیست

بعاشق گفتگو او را ازان نیست   که عاشق را زبان او را دهان نیست

پیکان تیر آن مه کاغشته شد بخونم
شمعیست کشته روشن از آتش درونم

وملا بنائی در اواخر تتبع دیوان حافظ نموده حالی تخلص میکرده
تا آنکه از میر علی شیر رنجیده نزد شیبک خان رفت و تاریخ او در منظوم

ساخت و آخر از تعصب او متنفر شدہ با یرآں آمد و با امیر نجم ثانی بماوراء النہر لشکر کشید و دراں معرکہ شہید شد دیوانش از قصائد و مثنوی و غزل قریب بدہ ہزار بیت بنظر رسیدہ -

---

بیرام خاں

آقا قوئیلو خانخاناں

شہے کہ بگذرد از نہ سپہر افسر او | اگر غلام علی نیست خاک بر سر او
ز قید خسروی ہر دو کون آزاد است | کسے کہ از دل و جاں شد غلام قنبر او

حرفے ز نوشتنی دل ما شاد نہ کردی | ما را بزباں قلمی یاد نہ کردی
با یاد تو صد بار کنم نالہ و فریاد | فریاد کہ یکبار مرا یاد نہ کردی

محمد باقر خوردہ کاشانی

روزے کہ چرخ خاک وجودم دہد بباد
سرگشتہ گرد کوئے تو گردد غبار من

کدام غنچہ کہ نو رزیدہ باد لم عشقت　　　روم نبـاز کہ معشوق روزگار منم

مولانا باقی کرمانی

از معاصران حکیم شفائی بودہ ازوست:-

عمریست کہ تیر فقر را آماجـسم　　　بر تارکِ افلاس فلاکت تاجـسم

یک شمہ ز حالِ خویش ظاہر سازم　　　چندانکہ خدا غنیست من محتاجـسم

قاضی بدیع الزّمان

بن قاضی شمس الدین محمد اردستانی اصفہانی، قریب بدو ہزار بیت دیوانش بنظر رسیدہ و با وجود نہایت فضل و تقویٰ در محبت محمد تقی پسرِ آقا ملک معروف بقرار گزرانیدہ ازوست:-

ہجراں تو چشمِ عقل را میل کشید　　　وز جور تو چرخ جامہ در نیل کشید

آں غمزہ چو حکم جاں سپردن دارد　　　جاں زحمت زکالبد بہ تعجیل کشید

ز تغافلت نرنجم کہ فریب چشم مستت　　　دہدم چناں تسلّی کہ ترا خبر نباشد

برزمی

اصلش گرجی است، و در شیراز نشو و نما یافت از وست:-

زتاب عشق تو زانگونه دوش تن می سوخت
که هر نفس ز تفو سینه پیرہن می سوخت
شهید عشق تراشب بخواب میدیدم
که همچو شعلۂ فانوس در کفن می سوخت
حدیث شوق تو در نامه ثبت میکردم
سپند دار نقط بر سر سخن می سوخت

شاهزاده عالی تبار بهرام میرزا بن خاقان شاه اسمٰعیل صفوی

بهرام دریں خرابۂ پر شر و شور
تا کے بحیات خویش باشی مغرور
کرده است دریں خرابۂ صیاد اجل
در هر قدمے هزار بهرام بگور

شیخ بہاء الدین محمد عاملی

گر دل دہی کز تو شکایت کنمے دانی کز شکایت بچہ غایت کنمے
گر پردہ دری نباشد اندر حق تو آنہا کہ تو کردہ روایت کنمے

رباعی

آہنگ حجازی می نمود م من زار کامد سحرے بگوش دل ایں گفتار
یارب بچہ روئے جانب خانہ رود رندے کہ ازو کلیسیا دارد عار

تابعی

خوانساری آدینہ قلی نام داشت ازوست:—

کارِ من دور از تو غیر از نالہائے زار نیست
گر بزاری جاں دہم دور از تو دور از کار نیست

تجلّی کاشانی

از پروردگان و تربیت یافتگان مولانا نظیری نیشاپوری است و در
اوّل شباب رحلت نموده و مولانا نظیری از فرط محبت اشعار او راکہ قریب
بیکہزار بیت است تدوین نمودہ از وست :-

دود از نہاد گوش برار دفغان ما   اخگر بجائے نغمہ بریں ساز بستہ ایم

چناں مکن کہ ہم آغوش لب کنم گلہ را   براہ باد گذارم چراغ حوصلہ را
چہ شد کہ رخ بنمودی و دین و دل بردی   بروئے بستہ حریفاں زنند قافلہ را

تسکیں دہم بوعدۂ وصل اضطراب را
مانند تشنۂ کہ بہ بیند شراب را

رفتست ز بیداد تو جورِ فلک از یاد   مرہم شدہ داغ نو ما داغ کہن را

گر در سر کوئے تو نالم عجبے نیست   در جائے خطرناک نہ بندند جرس را

تو کشی بادہ و تجلّی آہ آتش انجا بلند و دود اینجا

بر مزارِ ما شہیداں نہ چراغے نہ گلے
ہر طرف پروانۂ درطوف وہر سُو بلبلے

ابوالفتح ابراہیم میرزا

ابن بہرام میرزا ابن شاہ اسمٰعیل صفوی متخلص بجاہیؔ درعہد عم خود شاہ جنت مکان شاہ طہماسپ بمزید عزت واحتشام اختصاص داشتہ مدتہا تولیت روضہ رضویہ علیہ التحیہ باوتفوض وودخراسان صاحب اختیار بودہ والحق مثل او از شاہزادگان بلکہ از اعیان جہان کمتر کسے راتوان نشان داد چہ درشجاعت وشہامت وسخاوت وعدالت وتربیت ارباب استعداد ومزید ہوش وفطانت وجامعیت علم وہنر یگانہ روزگار بودہ ہیچ علمے وہنرے نبودہ کہ ویرا دراں مہارتے تمام نباشد خواجہ حسین ثنائی از مداحان وتربیت یافتگان اوست وشعررا درلطافت وپختگی بمرتبۂ کمال رسانیدہ، دیوانش یکہزار بیت افزون بنظر رسیدہ درعہد اسمٰعیل میرزا بشہادت فائز گردیدہ این چند بیت از نتائج طبع کامل

آں شاہزادہ عالی تبار است :—

اے ترا غمزہ بخونریز نہانی مشتاق
دل بوصلِ تو بصد دل نگرانی مشتاق

مریضِ عشق دوائے بغیرِ صبر نداشت　　ولے کُشندہ تر از درد بود درمانش

آں حسنِ دلرباست کہ ہنگامِ دیدنش　　بے دست و پا شود دل و بے اختیار چشم
بعد از ہزار شب کہ بوصلش رسیدہ　　جائے غنیمت است از و بردار چشم

شنیدم کہ چشمِ تو دارد گزندے　　ہمانا کہ افتادہ بر دردمندے

کردی چو قدم رنجہ بویرانۂ جاہی　　شد رشکِ پریخانۂ چیں خانۂ جاہی

در کنجِ ہجر تا کے ہر شب در آتشِ دل　　بر یادِ عارضِ او سوزم چو شمعِ محفل
نے ہمدمے کہ پرسد یک رہ ز محنتِ من　　نے محرمے کہ گویم یکدم باو غمِ دل
دور از نہالِ قدش ہر شب چو نا امیدا　　در غصہ دست بر سر و ز گریہ پاے در گل
باآنکہ سیلِ اشکم بگرفت عالمے را　　از دیدہ نقشِ جایش ہرگز نگشتہ زایل

رفت آں مہ مسافر محمل نشین براہم   دل در پیش در افغان ہمچوں درائے محمل
حاجی رود بکعبہ جا ہی بکوئے جاناں   ہر کس کند ز جائے مقصود خویش حاصل

تا گردِ گلِ تو سنبل آمد بیروں   صد نالہ ز من چو بلبل آمد بیروں
پیوستہ ز سبزہ گل بروں می آید   ایں طرفہ کہ سبزہ از گل آمد بیروں

با آنکہ غمت بدشمنی تیغ افراشت
دل دامنِ دوستیت از کف نگذاشت

ویں دوستیِ دگر کہ دو دشمن را   از بہر دلِ تو دوست می باید شد

درویش جاوید ولیخانی

اشعارش [illegible] رسیدہ از انجملہ است:—

از دوزخِ ہجر او در دل شررے دارم   وز جنت وصلِ او خنداں گلے دارم
اگرچہ بازایم با خندۂ چو یارانم   در عکدۂ خاطر عیوں نوحہ گرے دارم

جاوید زندہ اند شہیدانِ غمزہ اَت تیغِ تو جائے عیسیِ مریم گرفتہ است

مردِ ستم نیستی لاف محبت مزن منصبِ ربط نیست رخت بدریا مکش
کوششِ تدبیر را مانعِ تقدیر نیست چوں شدنی می شود زحمتِ بیجا مکش

ملّا جعفری ساوجی

از مصاحبان ذوالفقار خاں برادر فرہاد خاں قراباغلو بودہ از وست:—

بمژگاں تا بکے دل اشکِ سوزاں را نگہدارد
بمشتے خار و خس چوں پیشِ طوفاں را نگہدارد

دل رفتہ و جانم ہدفِ ناوکِ ناز اَست اینہا ہمہ از شومیِ اظہارِ نیاز است

گر دلے بے تحملم پیشِ تو پردہ در شود شکوۂ بے نہایتم باعثِ دردِ سر شود
عمرِ دوبارہ باید و طاقتِ بے نہایتے تا دلِ دُور ماندہ را یک شبِ غم سحر شود
شربتِ زندگی شود در گلوئے خضر گرہ یکدم اگر ز لذّتِ تیغِ تو باخبر شود

میر جعفر مشہدی

در عہد بادشاہ گیتی ستاں شاہ عباس در اصفہان تحصیل بسیارے کردہ از افاضل زمان گردیدہ و با میرزا محمد وزیر اصفہانی بسر می بردازوست:—

من از وصال تو ہیچ ندیدم بغیر رشک　　بیہودہ تجسر در صدد انتقام شد

اگر بروز قیامت کشید وصل چہ شد　　وصال یار باین انتظار می ورزد

عجب نبود اگر عاشق ز چشم یار می افتد　　طبیب مہرباں از دیدۂ بیمار می افتد
دلت گر با تن خم آشنا گردد عجب نبود　　بہم بیگانگاں را گاہ گاہے کار می افتد

جز من کسے بدوری جاناں نزیستہ　　با مرگ خویش دست و گریباں نزیستہ
معذورم از فراق تو گر جاں سپردہ ام　　خو کردۂ وصال بہجراں نزیستہ

سوزندہ تر از آتش دوزخ شدہ آہم
ایں شعلہ مگر عادت خوئے تو گرفتہ است

چلپی بیگ تبریزی فارغ

مشهور به علامی از شاگردان خواجه افضل محمد ترکه اصفهانی و در فطانت
نادرهٔ روزگار بوده حکیم شفائی از وی رنجیده او را هجوی رکیک کرد
وی بهند آمد مدتی با اکبر شاهی بود و در مراجعت با یران در لاهور
وفات یافت در اوائل شیدا تخلص میکرد و آخر بفارغ قرار داد از وست :-

به آه و نالهٔ شب خواب پاسبان زدم　　گرانی سرش از خاک آستان زدم
تو تا بچند خوری خون خلق و من تا کی　　اثر ز نالهٔ دلهای ناتوان زدم
رسید کار بجائی که بعد ازین من هم　　نه ناله از دل و نه شکوه از زبان زدم

خدا در سینهٔ ما آه سوزان را نگهدارد　　ز آسیب دل بیرحم جانان را نگهدارد
منادی میکند امروز زنار سر زلفش　　که بی ایمان بمیرد هر که ایمان را نگهدارد

تف برق تجلی خلق را در خانمان افتد　　گر این آتش مرا بیرون ز مغز استخوان افتد

محالست اینکه عاشق را شود یک کام دل حاصل
تمنا بر تمنا بسکه تا پایان برون آید

خیالِ عارضے جا در دلم دارد که دیدارش
بفارغ می نماید آرزوئے جانِ موسیٰ را

گر جان سپرد ذوقِ حیاتِ ابد گرفت — از هیچ کشته قاتلِ ما شرمسار نیست

خاکسترم نماند که بر باد بر دهم — آه اینچه شعله بود که در جانِ من گرفت

ملا حیدر کلوچ

در زمانِ پادشاهِ جهان‌گشا شاه اسمعیل انار الله برهانهٗ در عرصهٔ سخنوری دادِ مردی داده دیوانش هفت هشت هزار بیت بنظر رسیده و با آنکه عامی بود از مساعدت درستی سلیقه نقش خیالش از جمیع عیوب مبرا است از وست :—

نامهٔ لطفِ تو کرد از همه ممتاز مرا — پیشِ اربابِ وفا ساخت سرافراز مرا

روزے اگر از اہلِ وفا یار کند یاد — بسیار مرا جوید و بسیار کشد یاد

گر میسر نشود بوسه زدن پایش را — هر کجا پا بنهد بوسه زنم جاپایش را

تو اں بخواب رخت دید لیکن از خجلت چگونہ روئے تو بیند کسے کہ خواب کند

شگفتہ شو کہ خطت بر عذار پیدا شد کہ گل شگفتہ شود چوں بہار پیدا شد

من مستِ مے عشقم و او مست مے ناز من بیخبر از خویشم و او بیخبر از من

قاسم بیگ حالتی

از مشاہیر قزلباش است دیوانش قریب بدہ ہزار بیت در نظر ست
و اشعار تمام عیار بسیار دارد از وست:-

آمد خبرِ وصل و زخود بیخبرم ساخت فریاد کہ مکتوب تو مشتاق ترم ساخت

صبح عجبے سر زد ازاں چاکِ گریباں
بیدار شو اے گوشہ نشیں وقت نماز است

در ہمہ شہر یکے فتنۂ خوابیدہ نماند کہ سرِ پا زدہ مژگانِ تو بیدار نکرد

ہر جا حدیثِ جور و جفائے بتاں گذشت　　بے اختیار شکر توام بر زباں گذشت

رفت آنکہ غصہ در دل تنگم گذر نداشت
عاشق نبودم و دلم از خود خبر نداشت
نہ صبر کرد فائدہ در عشق نہ سفر
ایں درد غیر مرگ علاج دگر نداشت
روزے عجب رساند بشب بے تو حالتی
ہرگز کمان صبر بخود اینقدر نداشت

آوارۂ کہ بہر تو از خان و ماں گذشت　　از غیر بہر خاطرِ او میتواں گذشت
از دشمناں بپرس کہ در دوستی روا　　آنہا کہ از جفائے تو بر دوستاں گذشت
صبر از من و جفا ز تو ایں بود خود بگو　　عہدے کہ روز ہجر و فا در میاں گذشت
پے گم شدہ ز راہ روان طریق عشق　　تا آنکہ کاروان ز پے کاروان گذشت

خط بردمید و لعل لبت جاں فزا ہنوز
جاں میتواں بجور تو کردن فدا ہنوز

غم خیر باد دل کرد روزے کہ دلبر آمد   دشمن زند در صلح دولت چو بر در آمد

غم تو چوں کُشندم بر رقیب تہمت نہ   کہ بہر کُشتنِ او ہم بہانہ باشد

تو بدگمان و مرا با تو نیست راہِ سخن   چہ ار رقیب نسازد سخن میانۂ ما

سام میرزا

شاہزادہ عالیمقدار سام میرزا ابن شاہ اسمٰعیل صفوی از شاہزادگان کامگار و مستعدان روزگار بودہ آئین سروری و قانون بزرگی را معیارے در عہد برادرِ خویش شاہ طہماسپ درنہایت جلال و عظمت بسر بُردے تذکرۃ الشعرا نوشتہ و در تربیت مستعدان دقیقۂ فرونگذاشتے آخر بسوی افعالِ زشتِ جاہلانہ انفاص میرزا محبوس گردیدہ بقیۂ حیاتش دراں حبس بپایاں رسید و ہنگام رفتن وصیت نمودہ بود کہ برلوحِ تربتِ من ایں آیت نقش کنند اِنَّ اللّٰہَ یَغفِرُ الذُّنُوبَ جَمِیعًا و ایں رباعی نیز بریکے از طرفے :-

سامی ز غمِ زمانه بی‌غم می باش / با محنت و درد عشق همدم می باش
چون موجبِ شادیِ حقیقی مرگ ست / گر مرگ رسد تو شاد و خرم می باش

سامی علمِ مراد افراشته گیر / چرخ و فلکت بفرق برداشته گیر
کوتاه سخن تمامیِ روے زمین / آورده بدست و باز بگذاشته گیر

نه بے‌صبری مراد از هیچ یارے بر نمی آید
ز دستِ صبر هم دیدیم کارے بر نمی آید

اے همچو پری از من دیوانه رمیده / صد بار مرا دیده و گویا که ندیده
اے واے بران عاشق محروم که هرگز / نه با تو سخن گفته و نه از تو شنیده
آزرده شد از چشم من امشب کفِ پایت / دردا که کفِ پائے ترا چشم رسیده
مرغِ دلِ سامی بهوائے سر کویت / در دامِ بلا مانده و یکدانه نچیده

محمود بیگ سالم

از احفاد جهان شاه قراقوینلوی ترکان و استادان عرصهٔ سخنوریست

دیوانش بتخمین ہشت ہزار بیت مشحون باقسام سخن از مثنوی وقصائد وغزلیات درنظراست، وسخنانِ عالی دلنشین دارد، یوسف زلیخا را بنہایت خوب گفتہ، شاہنامۂ بادشاہ جنت مکان شاہ طہماسپ را قدرے کہ گفتہ امتیاز دارد و مثنوی دیگر مسمیٰ بمہر وفا دارد بخدمت

آں بادشاہ بسر بُردہ ازوست :-

نمی گردید کوتہ رشتۂ معنی رہا کردم
حکایت بود بے پایاں بخاموشی ادا کردم

ایں بیت او منسوب بملا نظیری شدہ و در دیوان محمود بیگ کہ در زمان شاہ طہماسپ کتابت شدہ نیز ہست محمود راست :—

بقتلم چوں کشد شمشیر نہ از بیم جاں ترسم
کہ طفلست وچو بیند کشتہ ام ترسد ازاں ترسم

از جنوں منت پذیرم زانکہ بازم عمرہاست
از نظر رفتہ است و با او گرم گفتارم ہنوز

نفس بستم ولے از رنگ بوئے راز می آید
فغاں زیں پردہ کز وے نغمہ بے آواز می آید

چو لختِ دل دگر بر بالِ مژگاں نامہ می بندم
کہ از شوقِ رُخِ او دیدہ در پرواز می بندم

بسرِ زلف مراوے نشدم پنجہ کشائی　　ایں چہ دست است کہ کوتاہ تر از شانہ بُوَد

در یوسف زلیخا گوید

چناں خو کرد جانم با غمِ او　　کہ جانست ایں ندانم یا غمِ او

در صفتِ ابرو

دو سر فتنہ بر آوردہ فراہم　　صلاحِ فتنہ میدیدند باہم

مولانا سپہری

از بلدۂ زوارہ است از فضلائے عالی شان زمان شاہ طہماسپ بُدہ
خاصہ در نجوم و ریاضت دیوانش از دہ ہزار بیت افزوں بنظر رسیدہ
اشعارش سپہر رُتبہ دارد از انجملہ است:۔

خالِ تو خلیل و چہرہ گلستانِ آتشست　　خوش آنکہ سیاہئے کہ بدامانِ آتشست

آساں گذشتہ روزیِ دل کعبۂ وصال   طے کردہ ہزار بیاباں گذشت

از تبسّم دفعِ زہرِ چشمِ خشم آلودہ کُن
کز نمک سازند شیریں چوں بود بادامِ تلخ

ندانم آنکہ بدرگاہِ کعبہ روئے نہاد   بعذر خواہیِ آں خاکِ آستانہ چہ کرد

ز بزمِ وصلِ تو شب برنمی‌توانم خاست   کہ بیمِ ہجرِ تو سر در کنارِ من دارد

چشم فرو نخورد بیکی دانۂ سرشک   مرغابیِ محیط چہ داند کہ دانہ چیست

بتاں کہ بنمایند آتشیں رخسا   ترسم کہ کہن گبر تو مسلمانم

خوشا صافی دلے روشن ضمیرے
کہ ہرگز بار بردوشے نیارد
اگر صد سنگ بر سر آیدش چوں آب
فرو بردو بروے خود نیارد

مولانا اسیری جرباد قانی

بلبل بہ فغاں گو مکن اظہار محبت
خوارست متاعے کہ بفریاد فروشند

ملا اسیری مشہدی

ز وصال یار روزے نرسیدہ ام بجائے
کہ شب فراقش از من نکشیدہ انتقامے

زخمے بنو تازہ نکردیم دریں باغ   افسوس ازیں غنچہ کہ ناچیدہ کہن شد

سیفائے حکیم اصفہانی

گر سینۂ من شعلہ چو شمع بر افروختہ
تا حشر اگر چو شمع نشد تمام بماند

میر سنجر ابن میر حیدر

معمائی کاشی محمد ہاشم نام اوست، دیوانش قریب بسہ ہزار بیت بنظر رسیدہ، ازوست:—

ناخن زدہ است بوئے گلے در مشامِ ما   ہاں اے طبیب چیست علاج زکامِ ما
یکشب چراغ خلوتِ ما میتواں شدن   تا کے چو صبح خندہ تواں زد بشامِ ما

—

داغم بنمک خشک شد و زخم بالماس
آگہ کُن ازیں تجربہ مرہم طلباں را

—

در پیش ابر است مہ زدودِ سپندت   تا نرسد از زمانہ چشم گزندت
صحرا صحرا سپند کارم و سوزم   دامن دامن ز بہرِ دفعِ گزندت

—

بے لخت جگر از مژہ برگشت سرشکم   شرمندہ تر از قاصدِ گم کردہ کتاب است

—

خویشتن را ہیچگہ بے ذوقِ عشقم یاد نیست   از ہوس پہلو خورد عشقے کہ مادر زاد نیست
بے نسیمِ عشق نابد برگ سبزے در سماع   از ادائے رقص دانستم کہ سرو آزاد نیست

رہ گم شدہ زیں پس ہمہ جا نقشِ جبیں است
اے کعبہ روا ایں وقت وداعست قدم را

حاجت روا نگشت مرا حاصل دو کون ‏ ‏ صرف چراغ مسجد و شمعِ مزار شد

میرزا سنجر

ابن شاہ نعمت اللہ بن شاہ غیاث الدین محمد میر میراں یزدیست کہ دختر زادۂ اسمٰعیل میرزا ابن شاہ طہماسپ صفوی بودہ شعر بسیارے گفتہ از وست:-

گر گشت غمزۂ تو مرا بے سبب نبود ‏ ‏ اظہارِ درد پیش تو شرطِ ادب نبود

چو می پُرسم ازو حالِ دلِ ریش ‏ ‏ بمن زلفِ پریشاں می نماید

ابو الفوارس شاہ شجاع مظفری

محمود برادرم شہِ شیر کمیں ‏ ‏ میکرد خصومت بسرِ تاج و نگیں
کردیم دو بخش تا بیا ساید خلق ‏ ‏ او زیرِ زمیں گرفت و من روئے زمیں

نادرهٔ روزگار خواجه عبدالقادر قانونی

موسیقی دانِ مشهور در مجالسِ خود ذکر نموده که من در بغداد بودم که شاه شجاع کسے فرستاده از من تصنیفے طلبید من درایں رباعی او عملے در عراق ساخته بوئے فرستادم :-

بادل گفتم کاے دلِ شیدا چونے · بے یارِ آں دلبرِ رعنا چونے
دل گفت مرا حاجتِ پرسیدن نیست · من خود بر دلبرم تو بے ما چونے

وہم از شاہ شجاع است

اعمال بدم ز خلق پنہاں میکن · دشوار جہاں بر دلم آساں میکن
امروز خوشم بدار و فردا با من · آنچه از کرم تو می سزد آں میکن

میرزا اشرف جہاں

بن قاضی جہاں سیفی حسینی قزوینی دیوانش قریب بده ہزار بیت از وست :-

پس از عمرے که احوال من بیمار می پرسد
نمی پرسد ز من بیرحم از اغیار می پرسد

شرفِ سوختہ در ماتمِ ہجر از حیرت
نہ چناں بے خبر افتادہ کہ شیون داند

از بس کہ بہجران تو دشوار دہم جاں	صد بار عزائے منِ بیمار گرفتند

شادی نتواند کہ نہد بر دلِ من پائے	از بسکہ شکستہ است در و جام غمِ تو

گفتند کہ از عشقِ تو بگذشت شرف گفت	دارد گذر از جان و ندارد گذر از من

میخواستم نظارۂ آں دلربا کنم	فرصت نداد گریہ کہ من چشم وا کنم

لب فرو بند سخن چیں کہ قبولست مرا
ہر چہ در حقِ من آں غنچہ دہن میگوید

کو بادہ تا بشیشۂ گردوں زنیم سنگ	تا کے زمانہ سنگ زند بر سبوئے ما

خوش آں زماں کہ غیر منت ہمزباں نبود	رازِ دلی کہ داشتی از من نہاں نبود

از گفتگوے غیر بمن بدگماں شدی ایں بیوفائی، از تو مرا درگماں نبود

ہر چند کہ جاں زار و دل از ہجر غمیں است غم نیست اگر مصلحتِ یار در ینست

گر خواند گنہ گار مرا عـذر نخواہم چوں شرط کرم نیست کہ گویم نہ چنیں است

تا مرا در نظـرِ مدعیاں خوار کند ہر چہ گویم بخلافِ سخنم کار کند
سخنِ مدعیاں را کند از من پنہاں وانچہ از من شنود با ہمہ اظہار کند

بہار شد نکشد دل بگشت باغ مرا شگوفہ میتو بود پنبہ ہاے داغ مرا
بشمع مہر م ازاں سر فرو نمی آید کہ دودِ مشعلِ عشقست در دماغ مرا

مدعی را رہ بہ بزم یار میدانم کہ نیست
در بود رہ زہرۂ گفتار میدانم کہ نیست

چو چشم وقتِ گریہ خونِ دل در دامن انداز
بود برقے کہ ابرِ غـم مرا در خرمن انداز

ترا از تارِ تن و ز رشتۂ جاں بُرقعے سازم
کہ چوں چشمِ تو اندازد نگاہے بر من اندازد
رقیبش خاک رہ گردید و میخواہم کہ باد او را
ز راہِ دوست بردارد بچشمِ دشمن اندازد

چناں فتادہ ام از پا کہ تا بحشر نخیزم ۔۔۔ عجب بود کہ ز من عاشقی خرابی افتد

سر رفت و آرزوئے تو از سر بدر نشد ۔۔۔ شد دیدہ خاک و نقش تو از چشم تر نشد
مستغرق خیالِ تو بودم چنانکہ دوش ۔۔۔ در جان در آمدی و دلم را خبر نشد

شبے برسم گدائی بکوئے یار شدم ۔۔۔ مرا شناخت ز آواز و شرمسار شدم
نہاں از و بر خش داشتم تماشائے ۔۔۔ نظر بجانبِ من کرد و شرمسار شدم

ترسم چو بنگرم نظرِ او بود بغیر ۔۔۔ میرم ز شوق و چشم بسویش نمی‌فگنم

روم ہر گہ بہ بزمِ یار تا خوشنود برخیزم ۔۔۔ بگوید با من بیدل سخن تا زود برخیزم
پئے ترتیب بزمِ خاص مجلس میزنی برہم ۔۔۔ اگر من ہم دراں مجلس بخواہم بود برخیزم

در نامہ بجاناں منِ حیراں چہ نویسم — جز آنکہ نویسم غمِ ہجراں چہ نویسم

شدم نزدیک مرگ از دورے یارے کہ من دارم
ہنوز ایں اندکست از دردِ بسیارے کہ من دارم

اگر ہر ذرّہ گردد آفتابِ عالم افروزے — نخواہد بے تو روشن شد شبِ تارے کہ من دارم

قاسم بیگ حالتی

افتادگاں چو تکیہ بدستِ دعا کنند — صد درد را بقطرۂ اشکے دوا کنند
از کردہ کس خجل نشود روزِ بازخواست — گر پرسشِ گناہِ زمن ابتدا کنند
در آتشم ز شرمِ گنہ وائے بر دلم — گر در عذابِ من بہمیں اکتفا کنند

بحسرت آہ ازاں خواری کہ چوں بیرانْدی از بزمم
بامیدِ شفاعت جانبِ اغیار می گردم

گفتی که کنم فکر دل حالتی آخر
او جان ز غمت برد تو فکر دگرے کن

نهانم میکشی با هر که میخواهی نهی منت
وگرنه من که دارم آشکارم میتوان کشتن
بقاصد جان ندادم حالتی از مژده وصلش
بجرم این ز درد انتظارم میتوان کشتن

در عاشقی ز هجر ننالم که با دلم هجران نکرد آنچه امید وصال کرد

ملا حاتم کاشی

از مشاهیر شعرائے کاشان است دیوانش هفت هزار بیت بنظر رسیده :-

پیکان ترا آبخور از چشم تر ماست آرایش تیغ تو ز خون جگر ماست
بر گردن خورشید نهد تاج لطافت این دست که امروز طراز کمر ماست

شبنم گرم از دلِ پُر خوں گزاشتی ازیں دریائے آتش چوں گزاشتی

از سوز سینۂ شعلہ افروز آتشم آتش نہ ام ولیک بصد سوز آتشم

سحرِ حُسن تو ہرگز بچنیں نور نبود مجلس ما بصفا ہیچ کم از طور نبود
چوں زلیخا نگرد جانبِ یوسف گوید در ازل دیدۂ یعقوب چرا کور نبود

بخاک کُشتۂ خود رخش گر بر انگیزد
چو گرد خیزد و چوں باد در عناں تازد

- اعتماد الدولۃ العلیۃ حاتم بیگ نصیری اُردوبادی

اے راہزن قافلۂ عشق حذر کن کایں قافلہ راہست بلا بار دگر ہجر

عالم و ہرچہ درانست بہیچ نخریم ہرکہ یارش بمرادست ہمہ عالم از وست

حالتی تبریزی

اے خاک کفِ پائے تو اکسیرِ فتوح عمرے باید کزاں برشکست آید نوح
از فصدِ تو لے جانِ جہاں در عجبم تا چوں زدہ اند نیشتر بر رگِ روح

شمسائے حالی تبریزی

صد شکر کہ صبر بر جفا دارد دل تا بستم تو بیوفا دارد دل
رسمِ گلہ اینکہ پیشِ ما باشد نیست ورنہ بتو سخت حرفہا دارد دل

حدیثی اصفہانی

پسر ملا آیتی است کم سخن و پاکیزہ گوست از وست:-

شوخے کہ ز جورِ چشم دایم مستش ہر گوشہ ہزار کشتہ چوں من ہستش
ترسم کہ بکشتنم نیز دادم ندہند ہر چند کہ فریاد کنم از دستش

حرفی اصفہانی

جانا ز تو بر سرم جفا می آید   وز تو بدلم تیر خطا می آید
کوئے سگِ خویش خواندۂ حرفی را   حرفیست کزو بوئے وفا می آید

دی آمدی کرشمہ کناں ہمرہِ رقیب
دستے بسر نہادم و دستے بدیدہ ہم

فاضل کامل شفیع الدین محمد اصفہانی

متخلص بحزنی علامۂ زمان خود بودہ دیوانش تخمیناً دہ ہزار بیت بنظر رسیدہ از وست :-

شد از تصرفِ حسن تو آں زماں خبرم   کہ شعلہ در جگر افتادہ بیخبر بسوخت

گرد دل گردم و بینم کہ درو جائے ہست   غم معاذ اللہ اگر نیست تمنائے ہست
در چمن بود زلیخا و بحسرت میگفت   یاد زنداں کہ درو انجمن آرائے ہست
ناامیدم ز تو اما بمحبت چکنم   کہ میان من و او رسم تقاضائے ہست

مدعی حاضر و ایں روزِ جزا ہاں اے دل　　میتوانی بکسے گفت کہ دعوائے ہست
کوئے او را بضماں خود بگرفتی حزیں　　غرض از نالہ بود گوشۂ صحرائے ہست

آسودہ ز دردِ دل فرسودہ نگشتم　　تا خود بگرفتم بغم آسودہ نگشتم
ایں پاک دلی ہیں کہ ز ہجراں تو صد بار　　در خونِ جگر گشتم و آلودہ نگشتم

دوش در بزم تو آزردہ و ناشاد کہ بود
من نبودم ہدفِ ناوکِ بیداد کہ بود

نیست یکدم کہ ز سرحدِ شہیدانِ فراق　　بسرِ کوئے تو صد قافلۂ جاں نرسد

بہ زمیں نگہم دار کہ دل بر سرِ بار است　　گنجشک مرا رشتۂ پرواز دراز است

بر سرِ کوئے تو جمعیتِ اغیارم سوخت
چہ شد آیا فلکِ تفرقہ انگیز کجاست

حسن بیگ شکراوغلی

بخطِ او تخمیناً یکهزار بیت دیده شد و خود بهند نزد خانخان عبدالرحیم رفته، وفات یافت از وست :-

گره بگشا ز زلفِ از قیدِ جاں آزاد کن ما را
علم کن تیغ کیں با عالمے غم شاد کن ما را

ز آزرمِ مرگ با خود داده رفتیم از سرِ کویت
بحسرت مُرده هر که که بینی یاد کن ما را

ملا حسن علی یزدی

ماند نشاں براں رخِ خوب از نگاهِ من
و نه در دلش اثر نکند سوز آهِ من

حسن بیگ

گرامی از اعیان شاملوست، شعر بسیار دارد از انجمله است :-

بذوقِ دیدنت چشم از پریدن ها سبکتر شد
نظر در نوکِ مژگاں نامه بالِ کبوتر شد

بوئے تو با نسیم صبا آشنا نشد　　گلہا شگفت و بند قبائے تو وا نشد

مست آمدہ بودم خبر از بام و درم نیست
یاراں رہِ بیروں شد ازیں خانہ کدامست

درآ در سینہ و دل را خلاص از شورِ ہجراں کن
خلیلی میتوانی آتشے بر من گلستاں کن
نیم دور از تو چوں بوئے تو بر گردِ تو میگردم
اگر روزی فراموشم کنی سر در گریباں کن

ملا حضری قزوینی

سرش گردم کہ ہر جا جلوہ گر بود　　سر بازار از و بازار سر بود
بریزِ چشم ہر جانب کہ میدید　　نہ تنہا من جہانی در خطر بود

سر کوئے یار حضری بحریم کعبہ ماند
کہ بہر طرف نہی رو بتواں نماز کردن

ملا حضری خوانساری

پسر ملا تاجری خوانساری

برگرد گلِ گریہ من رنگ قبولے تا کار بآمیزشِ خونِ جگر افتاد

برہم نزنم اگر بمیرم چشمے کہ در انتظار یار است

تا کے زبیم خوئے تو آہے کہ سر دہم بازش عناں بتابم و سر در جگر دہم
بر روے ہم نشاندہ حجاب تو صد نگاہ چوں صد نگاہ را بتو یکبار سر دہم

حضری لاری

تازت بغارت میبرد صبر دلِ ناشاد را
یادت عمارت میکند جانِ خراب آباد را

میر محمد یوسف خلقی طہرانی

زخیلِ اہلِ وفا ایم در زمانۂ تو　　سگ توئیم و لے دور ز آستانۂ تو

امیر خلیل رشدی سعدآبادی ہمدانی

از گریہ بہر جا کہ گذشتیم چمن شد　　وز ضعف بہر جا کہ نشستیم وطن شد

خلیل تیرگر خلخالی

چو شمع سوزِ دل از صد زباں ہمی گویم
و لے چہ سود کہ می سوزم و نمی سازی
بصد نیاز بروئے تو جاں برا ندازم
چو زلف را تو بصد تاب در برا ندازی

ملا خلاصی

از مصاحبان ملا محتشم است، دیوانش ہزار بیت تخمیناً بنظر رسید از وست:-

اگر آن پسر زمانے بر من قرار گیرد کنم اضطراب چندان کہ زمن کنار گیرد
ہمہ روز بیقرارم ہمہ شب در انتظارم کہ میانہ من و او بکجا قرار گیرد[1]

بحشر چو خلاصی سر بر آرد از کفن گوید
خدا یا شام ہجراں دیدہ ام دیگر مسوزانم

ملا خلقی شوشتری

گر کفر پسندی ہوسِ دیں نکنم
ور خار دہی حدیثِ نسریں نکنم
ور ہجر طلب کنی ز پا ننشینم
تا دست بخون وصل رنگیں نکنم

[1] در اصل نسخہ بہمیں طور است۔

ملا خواری تبریزی

از شعرائے مشہور عہد شاہ طہماسپ است اشعارش متفرق بنظر رسیدہ از وست :-

حسرتِ دیدارِ جاناں میکشد آخر مرا
آہ ازیں حسرت کہ ہجراں میکشد آخر مرا

بخت آنم کو کہ خواب آلودہ برخیزی شبے
نالہ ام بشناسی وگوشے بفریادم کنی

مولانا خواری

از قصبۂ خوارزی بودہ از وست :-

تابوت من آہستہ ازاں کو گذرانید   چوں نیست امیدے کہ بیایم دگر آنجا

میرم از ہجر و نخواہم کہ بمن رام شوی
ترسم از عشق من سوختہ بدنام شوی

ملا خوشی نظیری

بخطِ او دیده شده که یکصد بیت تقریباً از خود نوشته بود از وست:—

نقدِ جاں صرفِ رہِ آں دلستاں خواہیم کرد
خدمتے کز دست تا آید بجاں خواہیم کرد

خوبرویاں خواه دل خواہند از ما خواه جاں
ہرچہ خواہد خاطر ایشاں چناں خواہیم کرد

ملا حیاتی بخاری

از ہر سہ حیاتی تخلصان کہ از تون وہرات وخجند بوده اند اشعر است دیوانش
بنظر رسیده چہار ہزار بیت از وست:—

اے تیرِ غمت را دلِ عشاق نشانہ　　خلقے بتو مشغول و تو فارغ ز میانہ
گہ معتکف دیرم و گہ ساکن مسجد　　یعنی کہ ترا می طلبم خانہ بخانہ
ہر کس بزبانی صفت حمد تو گوید　　عاشق بسرود غم و مطرب بترانہ

چہ آب روازیں بہتر شہید عشق را فردا　　کہ از خاکِ سرِ کوئے تو گردے بر کفن دارد

گیسو بریدہ و شد فزوں مہرش بن گمرہ را　　گم کردہ رہ داند بلے قدر شب کوتاہ را
خاک راہت اشک گر باخوں بیامیزد مرنج　　گو یم بچشم خویشتن تا پاک سازد راہ را

ہنوزم دست بر سر باشد از شوقِ مے لعلت
اگر بعد از اجل دوران زخاک من سبو سازد

خانِ زمان علیقلی سلطان

از اُمرائے اکبر شاہ و سلطان تخلص اوست ازوست :-

عیسیٰ نفسے کہ زار و حیرانم کرد　　چوں طرۂ خویشتن پریشانم کرد
از کفرِ سر خودم کافر ساخت　　وز مصحفِ روئے خود مسلمانم کرد

جانا نبود مثلِ تو جانانۂ دیگر　　مانندِ منِ دل شدہ دیوانۂ دیگر
یکبار اگر گوش کنی قصۂ سلطان　　ہرگز نکنی گوش بافسانۂ دیگر

در ایام دعوی سلطنت و طغیانی باکبر شاہ نوشتہ :-

اے سدِ سکندر زمانہ در تو　　یاجوج بود سپاہی لشکر تو
در دورِ تو آثارِ قیامت پیدا ست　　دجّال توئی خواجہ اینا خرِ تو

خانخاناں عبدالرحیم خاں

بن بیرام خاں آق قوینلو ترکمان :-

گر بدل بردنت فتد سروکار   ہمہ اعضائے من دل آرد بار

غمت مباد چہ می پرسی از حکایت من   دل تو طاقت ایں گفتگو کجا دارد

اے دوست نہ دشمنی دل آزاری چیست   خوی تو نہ دہر ست ستمگاری چیست
چشم تو نہ بخت ماست در خواب چرا ست   بخت تو نہ چشم ماست بیداری چیست

سرمایۂ غم ز دست آساں ندہم   دل بر نکنم ز دوست تا جاں ندہم
از دوست بیادگارم دردے   آں درد بصد ہزار درماں ندہم

سرمایۂ عمر جاودانی غم تو   بہتر ز ہزار شادمانی غم تو
گفتی کہ چنیں والہ و شیدات کہ کرد   دانی غم تو و گر ندانی غم تو

میرزا جانی خاکی شیرازی

از شعرائے عہد شاہ طہماسپ است، متفرق اشعارش در نہایت
لطافت بنظر رسیدہ ازوست:-

زانساں شدہ ام خوار بہ پیش تو کہ ہر چند ازجور تو کردم گلہ انکار نہ کردی

بر تربتِ خاکی زکرم یار گذر کرد کو جاں کہ فدائے قدم یار کند کس

غم کہ پیر و طفل تدبیرش بمردن میکند
میفروشش چارہ در یک آب خوردن میکند

از تبِ غم بیخودیہائے من بیمار بیں
نالہائے زار بشنو گریہائے زار بیں

حاتمی اصفہانی

صحبت و ترنم و دف و نے مردم ز خمار ساقیا مے

تا پے سپہرم نکردہ ہجراں   پُر کن قدحے و دہ پیاپے

امیر خسروی قاینی

از اکابر سادات آنجا بودہ اشعارش قریب بچہار ہزار بیت بنظر رسیدہ

از انجملہ است

اگر ز ہستی ما در سرت ملالے ہست   بر آر تیغ کہ مارا ہم انفعالے ہست

پاکیزہ خوی و پاک سرشتست خسروی
از خون او سزد کہ ملائک وضو کنند

میر شیبی کاشانی

در اواخر حال بہند افتادہ از لاہور سر و پا برہنہ برروش فقرا میزیستہ
اشعار بسیار دارد و سہ دیوان بغیر از مثنوی ذرہ خورشید ازو بنظر رسیدہ
اگرچہ رطب و یابس درہم است اما اشعار بسیار عالی کہ بوئے توحید و سوختگی
و مزہ عشق ازاں تواں یافت دارد از انجملہ است :—

کفِ پا بہرِ زمینے کہ رسد تو نازمیں را　　بلبِ خیال بوسم ہمہ عمر آں زمیں را

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش　　کہ من آں قدِ موزوں می شناسم

بہرِ زیارت آمد بر تربتِ شہیداں　　یارب وگرچہ دارد باآرمیدہ چند

یکے بر خود ببال اے خاکِ گورستاں زشادابی
کہ چوں من کشتۂ زاں دست و خنجر در لحد داری

زبس حرارتِ دل خونم از دماغ چکد　　بسانِ روغنِ پرشعلہ کز چراغ چکد

میر حالتی گیلانی

مشہور خوشنویس اشعار خوب دارد از انجملہ است :-
بدامن بسکہ گل ز ابرِ چشمِ خوں افشانِ من باشد
گلستانِ بہارِ عاشقی دربانِ من باشد

میرزا حسابی نطنزی

از مستعدان و ارباب کمال در کار خود بوده خاصه در فنِ موسیقی که نادرهٔ دهر و اعجوبهٔ زمان بود شعر در کمال لطافت و شادابی دارد دیوانش قریب چهار هزار بیت در نظر است و از انجمله است :—

نازم استغنای چشمِ عشوه پردازِ ترا | گرد سر گردم نگاهِ سر بسر نازِ ترا

زین بزم برون رفت و نکو رفت حسابی | کازرده دل آزرده کند انجمنے را

حسابی باز می آید آئینہ که میدانی | ترا دیدار ارزانی که من از خویشتن رفتم

شبِ وصل خیره چشمم نه خیالِ یار باشد | که مبادا چون شبِ من شبِ او دراز باشد
نگهی ز شرم خوبی نکنی درست در من | چکند نیاز مندی که هلاکِ ناز باشد
ز دلم هزار رنجش بتری به نیم پرسش | چه امید رستگاری ز تو عشوه ساز باشد
ز فریب وعده امشب نزدیکم چشم بر هم | که شب امید واری در خانه باز باشد

امشب کسے بحالِ منِ ناتوان نبود | احوالِ دل مپرس دلے در میان نبود

شبہائے ہجر را گزرانیدہ زندہ ایم ما را بسخت جانئ خود این گمان نبود

بر من شبے نمی گذرد کز ہجوم اشک صد جنگ و آشتی بخیالت نمی کنم
خونم کہ ریخت چشم تو بادا حلال او مے باکسے مخور کہ حلالت نمی کنم

این امتیازم از دگران بس کہ وقت خشم بر من بود قصاص گناہے نبودہ را

کینہ می ورزند با حسرت کشانِ دور گرد بخشد انصافے خدا پہلو نشینانِ ترا

بیتابیت اے دل ہمہ بہر نگہے بود اکنون کہ نگہ کرد چرا تاب نداری

من اے ہمدم دلِ شمشیر غیرت خوردہ دارم
مکن با من حکایت خاطرے آزردہ دارم
شب او بودہ است و غیر و صحبت ہے خلوت خاصے
من این تحقیق حال از پے جستن بردہ دارم
رود با ناکسان سازد بسوز کس نپردازد
ازاں بے درد و بے پروا دلے افسردہ دارم

اگر دیر از برش برخاستم معذور دارندم
کہ عشق پائے بر بنیاد جاں افسردہ دارم
حسابی رفت و باخود بُرد ایں حسرت کہ او گوید
بحسرت رفتہٴ برخاک خارے مردہ دارم

بیا پیہم طلبیدی چہ خدمت است ندانم
شتاب چیست کہ قربان ایں شتاب تو گردم

دیر پروا یار من روزے اگر پروا کند
یک نگاہش جبر چندیں سالہ استغنا کند

گرم حرفے کجاست تا گویم — از زبان من آفتاب مرا
کہ بہر کس چہ پیرا کند گرمی — چند سوزی دل کباب مرا

یارب آراستن انجمنش را میرم
گرمیٔ صحبت و چندیں سخنش را میرم

میر حضوری قمی

از استادان سخن و مورخان کہن بودہ، دیوانش قریب بپانزدہ ہزار بیت در نظر است از دست بہ

بے یار زندہ بودن غیرت نمیگذارد　　بر مرگ دل نہادن حسرت نمیگذارد
در ساختن باغیار با آنکہ صرفہ ہاست　　راضی نمی شود دل غیرت نمیگذارد

براہِ عشق بتاں شام بینوائیہا　　دلِ شکستہ بود کاسۂ گدائیہا

چو شب در فکر آں لبہائے میگوں افگنم خود را
ز حسرت آنقدر گریم کہ در خوں افگنم خود را

خود ز غیرت شدم آوارہ چو نتوانستم　　دگرے راز سر کوئے تو آوارہ کنم

با تو در خواب دلم عرض تمنا میکرد　　در گلو گریہ گرہ بود چو بیدار شدم

ز ہزار در در آئی بکرشمہ ے ندانم　　کہ من ایں دو چشم حسرت بکدام امید دارم

نہ سرِ شکوہ نہ سودائے شکایت دارم　　قطع امید چو کردم چہ حکایت دارم

حضوری میرود با چشمِ گریاں از سرِ کویش　　بغیر از نا امیدی حسرت بسیار ہم دارد

تمنائے کزو دارد دلِ امیدوارِ من
تکلف نیست می ارزد بدردِ انتظارِ من

دلم کہ جوشش می از آہِ آتشیں نہ نشست
چو شعلہ با نفسے داشت بر زمیں نہ نشست
ندانمت بکدام آبرو بحشر آئی
ز راہِ عشقت اگر گرد بر جبیں نہ نشست

مولانا حقی

خوانساری عارف دانشمند و در شعر استاد است اکثر اشعارش رباعی است ازاں است :-

در مذہب درد آنکس مرد است　　کز خلق مجرد ز علائق فرد است
خورشید کہ ہست عالم آرا حقی　　روشن دل ازاں است کہ تنہا گرد است

امشب دل زار ہجر نالاں دیدم جاں را با جل دست و گریباں دیدم
قربان سرت ولے بکہ ہمرہ بودی کامشب ہمہ شب خواب پریشاں دیدم

ملا حیرتی

از ماوراء النہر است، بذلہ سنج حاضر جواب ہزال معرکہ آرا بودہ شعر بسیار
درکمال روانی دارد و از فرط اخلاص و دوستی اہل بیت علیہم السلام
در بخارا کہ موطنش بودہ برفض منسوب شدہ، خلق آں دیار بقتل وے
کمر بستند و الحق تعصب او در تشیع نہایتے نداشتہ ہمانا در خلق اعتدال
نیست چہ یا در تسنن کار را بنصب و عداوت رسانند و یا در تشیع
چوں حیرتی شوند، بالجملہ ازاں دیار فرار نمودہ بخدمت شاہ جنت مکان
شاہ طہماسپ رسیدہ چوں ظہور چنیں شخصے از چناں دیار بدیع می نمود
اعزاز و انعام احترام تمام یافت و چوں شب و روز در تجرع بادہ می بود
ایں حالت براں بادشاہ دیندار ظاہر شد مکرر او را منع بلیغ و تہدید عظیم
فرمود دراں حال بدنفسے کہ از او آزردہ بود ادعا نمود کہ دریں بیت
مشہور خود بیاد شاہ عالم پناہ کنایہ گفتہ ؎

از حسد امروز زاہد منع ما از بادہ کرد ورنہ کے آں نامسلماں را غم فردائے ما ست

بعد از استماع ایں بیت آں شہریار امر فرمود کہ وے را از ممالک محروسہ اخراج کنند بلا تغیر صورت ولباس خود کردہ متواری در گوشہ وکنارہ میگشت تا آنکہ بوسیلۂ ایں چند بیت کہ در قصیدہ گفتہ بود در نظرِ آں پادشاہ ہوشمند رسید امان یافتہ بخدمت شتافتہ خلعت ونوازش وانعام یافت وتا آخر عمر در کاشان متوطن بود وآں چند بیت این است کہ در مداحے سرورِ اولیا علیہ السلام گفتہ :—

بہیچ ملک رہم نیست یا شہِ دوسرا — توئی چو شاہِ ولایت ولایتے بنما
مراز دور نمایند سنیاں باہم — یکے نماند ازاں سنیانِ شیعہ نما
زشش جہت درمن بستہ زیں سرائے سپنج — بزور پنجۂ خیبر کشا درے بکشا

ازاں بخود روم سوئے مہ خویش — کہ خود راہم نخواہم ہمرہِ خویش
چہ شبہاے درازِ ہجر دیدم — باین یکروزہ عمر کوتہِ خویش

عاشقاں را غمِ دلدار بہ از جاں باشد — غمِ جاں کس نہ خورد تا غمِ جاناں باشد
محنت روز قیامت کہ عذابی است الیم — کافرم گر چو بلاے غمِ ہجراں باشد

جز من کہ رند وعاشق از سر گذشتہ ام — آں ترک مست را کہ تواند عناں گرفت

حیرتی نالہ ز دردِ دلِ خود چنداں کرد
کہ دلِ یار بدرد آمد و اغیار گریست

حیاتی کاشی

از شعرائے مشہور عہد شاہ طہماسپ بودہ اشعارش متفرق بنظر رسیدہ از وست:-

گریۂ ما سرِ ویرانیٔ عالم دارد کشتیٔ نوح بیارید کہ طوفاں اینجاست
کوئے یار است ازینجا بہ تکبر مگذر سر بنہ سجدہ کہ گبر و مسلماں اینجاست

ملا حیاتی گیلانی

از مشاہیر شعرائے صاحب طرز و در عہد اکبر شاہ و سلیم شاہ در ہند گزرانیدہ اکثر با عبدالرحیم خانخاناں بسر می برد و دیوانش نیجہزار بیت بنظر رسید از انجملہ است:-

از بسکہ رفو زدیم و شد چاک ایں سینہ ہمہ بدوختن رفت

چوں ہیچکس بدانشِ اصلی نبردہ راہ بیدانشی بعلم فلاطوں برابر است

ما دستِ شوق را بگریباں فرو خلیم　　پائے امیدِ خویش بداماں فرو خلیم

من آتشِ عشقم نفس مُردہ ندارم　　چوں غنچۂ صبحم دلِ پژمردہ ندارم

تو وفا بادگراں کُن کہ منِ سوختہ دل　　زندہ از بہرِ ہمینم کہ جفائے تو کشم

یا بوے دلِ خوشم کہ دماغِ محبتم　　یا سوز سینہ یار کہ داغِ محبتم
گر سر نہم بکوہ دگر رہ کنم بدشت　　ہر جا کہ میروم بسراغِ محبتم

قسم بگُل کہ کہُن بلبلے ز باغِ توام
بمرگ شعلہ کہ پروانۂ چراغِ توام

میر حیدر معمائی

کاشی رفیعی در تاریخ و معما و اصناف سخن استاد است از وست :-

چناں آمیزشی کرد است با غیر　　کہ ہرگز در دلم بے او نمیاید

نازک دلم لے دوست علاجم چہ تواں کرد
من عاشق معشوق مزاجم چہ تواں کرد

دی وعدہ کردو نامد بے وعدہ آمد امروز
ہم سوخت زانتظارم ہم ساخت شرسارم

غم زہر جاکہ رسد سرزدہ آید بدلم — چکنم خانۂ من بر سرِ راہ افتادہ است

درتاریخ بادشاہ اسمعیل ثانی ووفاتش گفتہ است :—

شہنشاہ جمجاہ گیتی پناہ — کہ میخورد گردوں بذاتش قسم
جہاندار قہار گردوں وقار — کہ بودش لقب قہرمان عجم
از وزہر درکام ضحاک مار — وزد خاک بر فرق جمشید جم
پئے تاجداری روئے زمیں — برافراخت در دہر سالِ علم
پئے بادشاہی زیر زمیں — بسالِ دگر در عدم زد قدم
دو تاریخ زیبندہ میخواست فکر — کہ بر لوح عالم نگارد قلم
یکے بہر جاہش در اقلیم دہر — یکے بہر عزتش بملک عدم
شہنشاہ روئے زمیں گشت ثبت — شہنشاہ زیر زمیں شد رقم

ملا حیرانی ہمدانی

چناں میسوزم از داغ جدائی در شب ہجراں
کہ شمع از بہر من مے گرید و پروانہ می سوزد

وخلی اصفہانی

از شعرائے زمان شاہ جنت مکان شاہ طہماسپ است دیوانش
بخط وے قریب بہ ہشت ہزار بیت بنظر رسیدہ از وست :—

من نالہ ندیدم کہ اثر در پے داشت   من شام ندیدم کہ سحر در پے داشت
گویند کہ شادی آورد غم غلط است   ہر غم کہ آمد غم دگر در پے داشت

از کفر و دیں بر آمدہ زنار و سبحہ را   در نیمہ راہ کعبہ و بت خانہ سوختیم

دیدہ از فیض رخت غیرت بستاں کردم   خاطر از یاد جمال تو گلستاں کردم
قوت من ایں ہمہ نزدیک مراد در طلبش   پائے فرسودہ زبس قطع بیاباں کردم

میر محمد امین ذوقی

تفرشی سید فاضل اهل تقوی و از شعرای زمان شاه طهماسب بود در اشعار ماهر
متفرق بنظر رسیده

خوشم که در دل من عشق مدعا نگذاشت
مرا به بوالهوسیهای خویش وانگذاشت

همنشینم بخیال تو و آسوده دلم — کین وصالیست که در پی غم هجرانش نیست

چنان بدوستیم خواهم اعتماد کنی — که صد ستم کنی و عذر خواه من نشوی

گناهم را عذابی یار از دوزخ فزون ترسم
که سوزندم بداغ هجر فردای قیامت هم

دی رقیب از تو گله‌ها بود و زان آزرده نبود
شاد گشتم که غم عشق تو چندانش نیست

ملا ذوقی جامی

آئینهٔ مهر روشن از یاد علیست — اوراد ملک بر آسمان ناد علیست
گر سلطنت دو کون خواهی ذوقی — در بندگی علی و اولاد علیست

ذوقی اردستانی

شاعرے مشهور و از معاصران حکیم شفائی است، در بدایت عمر گیوه کشی
کردے و در اواخر ترک آن پیشه نموده در سلک شعرا می بود چون عامی است
ارطب و یابس بسیار در کلامش هست، اما شعر بلند و نمکین نیز بسیار دارد
و حکیم شفائی تیغ هجا بر بینی او آخته، از صد رباعی افزون در هجو بینی او
گفته دیوان ذوقی مذکور از پانزده هزار بیت افزون در نظر است از وست:—

تا داغ تو در کیسهٔ جانم درمی کرد — عمرے بهمیں مایه دلم محتشمی کرد
چندان بالم خوے گرفتیم که آخر — با حوصلهٔ طاقت با دردی کرد

نه شگوفهٔ نه برگے نه ثمر نه سایه دارم
همه حیرتم که دهقان بچه کار کشت مارا

هرگه نظرت بر من غمناک بیفتد   تیری است نگاهِ تو که بر خاک بیفتد

رسید ترک من و خنجر از نیام کشید   امیدواریم از حسرت انتقام کشید

چگونه کعبه نپوشد لباس ماتمیاں   که خانۂ چو دلش در مقابل افتاد است

آہے کہ مرا از دل پُر درد بر آید   رخشندہ چو خورشید جہاں گرد برآید
بنشیں کہ زمیں طاقتِ ایں جلوہ ندارد   ترسم کہ ز بنیاد جہاں گرد برآید

زلیخا گر توانستے صبا را پاے می بستے
کہ از یعقوب حرماں دیدہ بوے پیرہن پوشد

از بخت بدم امید نومید شود   گر بنشانم درخت گل بید شود
بر کلبۂ تارِ من نیفتد پرتو   گر جرمِ فلک تمام خورشید شود

ملا حیدر ذہنی

بعد از وفات ہر قلم استخوان ما — سر بستہ نامہ ایست بنامہربان ما

غم شد سایہ فگن سایہ نشین من بودم
ہر کجا پاے ستم رفت زمین من بودم

ذہنی تبریزی

در تبریز سر آب پری می کردہ و شعر خوب بسیار دارد ازوست:—

شب روم بر بام آں مہ گوش بر روزن نہم
شیشہ بردارم بجایش دیدۂ روشن نہم

حسن تو و ناز تو باندازۂ ہم نیست
حسن تو و ناز اینہمہ خود گو کہ ستم نیست

ملا داعی ہمدانی

در اقسامِ شعر ماہر و دیوانش قریب بدہ ہزار بیت بنظر رسیدہ ازوست:۔

عمرِ ابد نتیجۂ وصلِ نگارِ ماست آبِ حیات جامِ مے خوشگوار ماست
پیکانِ جورتا بابد می تواں کشید زیں پارۂ جگر کہ کنوں در کنار ماست

ملا داعی شیرازی

صدرہ کرم چو شمع سر از تن جدا کنی از ذوق خنجرت سرِ دیگر برآورم

بجائے دوستی چند انکہ کردی دشمنی با من
چو بیدردال بخاطر رہ ندادم ناامیدی را

ملا داعی اصفہانی

پسر ملا ضمیری اصفہانیست بغایت بے پروا و رند و لاابالی بودہ دیوان
پدر خود را باجمیع مسودات و اثاث البیت بدکاکین بقال و حلوائی و طباخ

رہن گذاشتہ ضایع وابتر ساخت وانیہمہ اخلاف ضمیری را ایں فرزند خلف از صفحۂ روزگار برانداخت، گاہے شعر میگفتہ از وست :—

آمدی رفت ز دل صبر و قرارم بنشیں
بنشیں تا بخود آید دل زارم بنشیں

درویش دہکی قزوینی

دہک قریہ ایست از دار الموحدین قزوین، درویش مذکور بغایت عالی ہمت وبلند فکر مستقیم الطبع حاضر جواب بودہ امیر علیشیر در "مجالس" خود آوردہ کہ از اینہمہ شعر کہ از عراق شنیدہ ومیشنوم ہیچ یک چوں شعر دہکی نیست بفقر روزگار گزرانیدے ووجہ معیشت از جولاہگی وگاہے از خشت مالی تحصیل نمودے وبا اکابر بزرگانہ سلوک کردے چوں ملا جامی از سفر حجاز بقزوین رسید صحبت اورا بغایت مغتنم شمرد ووے را نہایت تعظیم واحترام کردے ودر مشاعرات مکرر از دہکی الزام یافتہ ودہکی را در ہجو جامی اشعار بسیار است واکثر را بروئے او خواندہ از انجملہ است :—

بزربفت سلاطیں جامی از اشعار می لافد
چو درویش ار بجولاہی فتد و انم چہ می بافد

اے بادِ صبا بگو بجامی کاے دزدِ سخنورانِ نامی

بُردی اشعارِ کہنہ و نو از سعدی و انوری و خسرو

اکنوں کہ سرِ حجاز داری آہنگِ حجاز ساز داری

دیوانِ ظہیر فاریابی در کعبہ بدزد گر بیابی

بمستی چاک کردی پیرہن در بزمِ میخواراں
درے بکشودی از فردوس بر روئے گنہ گاراں

در نسخۂ کہ وصفِ لبِ او بیاں کنم
جاں درمیاں نہم کہ ورق را نشاں کنم

اے خوش آں دم کہ رسد ناقۂ لیلیٰ ز رہے
آشنا یانہ کند جانبِ مجنوں نگہے

شب کہ از سوز دروں چوں شمع می افروختم
دیگراں روے تو میدیدند و من می سوختم

چو با یادِ خطت آہے بر آید از دلِ چاکم
پس از مردن شود ابرے و گرید بر سرِ خاکم

ہر روز اختیار جہاں پیش دیگرے است
دولت گر گدا است کہ ہر روز بر درے است

بغیر ناقۂ لیلی کہ میکند خارے   دگر کراغمی از روزگار مجنون است

کوہکن در کوہِ شیریں گوید و گردد خموش
تا رسد از کوہ بازاں نامِ شیرینش بگوش

خال را بر رُخ مگر کردی بسحر غمزہ بند
ورنہ در آتش کجا آرام می گیرد سپند

بابا فغانی شیرازی

فغان عاشقانہ اش شعلہ در دل سپہر اثر انداختہ، و آوازۂ نوائے کلامش
چوں مہچۂ رایت بلند ہمتان سر بر فلک افراختہ صاحب روش تازہ
متین نمکین، محققانہ کاملانہ است، و بعد ازوے شعرائے آفاق
ہمگی پیروی شیوہ نظم و طرز گفتار وے نمودہ اند دیوان غزل آں
خوبی نشاید تا بجال یافت نشود و سنجیدن سخن او دریافت جہات
امتیازش مقدور ہر کسے نیست و باآنکہ ہمگی بہ تتبع آں رفتہ اند بہرات
رسیدہ بصحبت ملا جامی و شعرائے عہد سلطان حسین میرزا میل نمود
چوں ملا جامی و شعرائے انجا وے را دیدند و آں طرز و روش شنیدند
آں را نفہمیدہ و نہ پسندیدہ در استماع ایشاں بغایت عجیب
و غیر مکرر نمود و زبان بطعن و تمسخر وے کشودند و آں سخنان بلند رتبہ
را نفہمیدند رسم ایشاں بود کہ ہر کس شعر بے رتبۂ نا مربوطے می گفت میگفتند
کہ ایں شعر فغانیانہ است، ایں حال چنداں غریب و عجیب نیست کہ شعرائے
آں عہد ہمگی از روش قدما و استادان سخن بیکبارہ انحراف نمودہ
اصلا آشنا بطرز نکتہ پردازان سابق نبودند و ہمہ بروش سہل افتادہ
کہ متعارف آں زمان شدہ بود شعر میگفتند و جمیع را ظن باطل آنکہ

جمیع طرزہا حتی روشِ قدما البتہ درجنب آں روشِ خاص ایشاں
منسوخ ومتروک خواہد بود وتا قیامت ہیچکس احیائے طرزِ استادان
یا ابداعِ شیوۂ شایستہ نخواہد نمود ایں روشہا کہ بعد ظاہر شد
آں روز ہیچ درعرصہ نبود و سلطان حسین میرزا اگرچہ در تربیت
اربابِ سخن وہنر باقصی الغایۃ میکوشید نام خود بہ نیکی تا قیامت
بلند آوازہ ساخت امّا درعہد او مرتبۂ سخن وشاعری از فضیلت
و دانشمندی جدا شد چہ تا آں زمانِ شعرا فضلا بودہ اند واگر
احیاناً فرومایہ طبع موزوں وقدرت سخن می یافتہ اورا اصلا اعتبارے وسخن
او التفاتے نمی بودہ ودرعہد میرزا چناں شد کہ ہرکس مصراعی موزوں
کرد مورد التفات شد وشعر بدست عوام فرومایہ افتادہ رسید بجاے کہ
موجب عیب وعار شد واز آں گروہ ملاجامی را بسبب رتبۂ فضیلت
فی الجملہ امتیاز یست اگرچہ روشِ او نیز ہماں طرز وروش است امّا چوں
بقدرِ تتبع فضلا وعرفا اکثر سخنانش را حالتی ہست خاصہ درچند
مثنوی خود کہ فی الجملہ از عہدۂ سخن گستری برآمدہ ۔ القصہ بابا فغانی
از ایشاں رنجیدہ بعراق آمد وبسلطان یعقوب پیوست ہوشمندان
عراق قدرے شناختہ سلطان مذکور اورا اعزاز واعتبارے
بکمال نمودہ اورو قعتے عظیم پیدا شد ودریکے از معارک اثنایے و

با دیوانے کہ خود مرتب نمودہ بود بتاراج رفت و ایں دیوان متداول بعد از بابا مرتب شدہ دیوان اول او معلوم نیست کہ چہ شد و وے تا آخر زمان بادشاہِ صاحبقرآن شاہ اسمٰعیل در قیدِ حیات بود و در مشہد مقدس سکنے نمودہ درآں مکان مقدس مدفون شد ایں چند بیت از دیوان اعجاز نشان اوست :—

اے سرِ نامہ نام تو عقل گرہ کشاے را | ذکر تو مطلع سخن طبع سخن سراے را
نسخۂ سحر سامری کاغذ تو تیا شود | چوں بکرشمہ سر دہی نرگسِ سرمہ ساے را

در مستاں زدم تا حال ہشیاراں شود پیدا
نہفتم قدر خود تا قیمت یاراں شود پیدا
ہواے ذرہ پروردن ندارد آفتابِ من
کہ استعداد ہر یک زیں ہوا داراں شود پیدا

موذن خواند و عاشق ز تقصیر عمل سوزد | و بالِ عمر ناکے نعرۂ یا حی شود ما را

بروں خرام و قدم نہ رکاب زریں را | نگار خانۂ چیں ساز خانۂ زیں را
رہین دیدۂ شب زندہ دار خویشتنم | کہ تلخ کرد براے تو خواب شیریں را

همین قدر که نمک بر جراحتم نرسید بود ز مردم آسوده التماس مرا

گر بشمشیر جفا پاره کنی سینهٔ ما همچنان مهر تو ورزد دل بے کینهٔ ما

چشمِ دو جهاں دوخت تماشائے تو ما را کرد از همه بیزار تمنائے تو ما را

زبان در ذکر و در دل نقش زلفِ یار می بندم
مسلمانی اگر این است من زنار می بندم

وقت است اے حریف که مے در سبو کنند دُردی کشان بمنزل مقصود رو کنند
تا جوئے شیر و قصر زبرجد گدا شنید ساقی بگو که میکده را رفت و رو کنند
قسمت نگر که کشتهٔ شمشیر عشق یافت مرگی که زندگان بدعا آرزو کنند
مشکل حکایت است که هر ذره عین اوست اما نمیتوان که اشارت باو کنند
مے خور که شیخ میکده مصلحت شعار کاری که میکنند حکیمان نکو کنند
آلودهٔ شراب فنائی بخاک رفت آه از بلای کفن تازه بو کنند

گلرخاں بر سرِ خاکم چمنے ساخته اند چمنے بر سرِ خونیں کفنے ساخته اند

عشق ضایع نکند رنج حریفاں بشنو — که چها در صفتش کوہکنے ساخته اند
در حقیقت نسب عاشق و معشوق یکیست — بوالفضولان صنم و برہمنے ساخته اند
بغلط ہم نرود بر سر مجنوں لیلےٰ — عاشق ایں بخت ندارد سخنے ساخته اند
یک چراغست دریں خانه واز پرتو آں — ہرکجا می نگرم انجمنے ساخته اند

من از تو مثل گشتم و یعقوب ز یوسف — در ہیچ زماں مہر و وفا تنگ نبوده است
ہرگاه رہِ عشق ز دنیاست بعقبےٰ — ایں بادیه را منزل و فرسنگ نبوده است

مقیدان تو از یاد غیر خاموشند — بخاطرے که توئی دیگراں فراموشند
ہزار سوزنِ الماس در دل است مرا — ازیں حریر قبایاں که دوش بردوشند

سودائے توام در دل پرشور نگنجد — نور سحرِ حسن تو در طور نگنجد
مرغِ دلم از کعبه زند فالِ خرابات — چوں بوم که در منزل معمور نگنجد
ما زخمِ تبر خورده میدانگہ عشقیم — در پہلوئے ما غیرتِ ساطور نگنجد

یادِ تو ہیچم از دل پرخوں نمیرود — وز دیده ام خیال تو بیروں نمیرود
صد رنگ گل ز تربت لیلےٰ شگفته ریخت — داغش ہنوز از دلِ مجنوں نمیرود

سفینۂ شیخ علی حزیں

آیا قبول نیست وگرنہ کدام شب — ایں نالۂ ضعیف بگردوں نمی رود

ما سینہ راز جورِ تغافل شگافتیم — آہے زدیم و آبلۂ دل شگافتیم

آسودہ بودم آہ کہ از یک نگاہ گرم — خونے کہ مردہ بود کنوں جوش می زند

در عاشقی بشورشِ من نیست عندلیب — ہنگامہ را بصوت و صدا گرم داشتست

دل از عیش جہاں کندیم و ذوق بادۂ نابش
نمی ارزد بظلم شحنۂ شب گشت مہتابش

آنکس کہ بر پیالۂ ما پشت دست زد — گو ایں قدر بساز کہ ناخن فرو کند

بشوخئ تو سوارے بصدر زیں ننشست
تو تا سوار شدی فتنہ برزمیں ننشست

با ہر کسے بگوئے فغانی کہ عاشقم — ایں شیوہ چوں ز طرز تو فریاد می کند

باآنکہ یکدمم ز مقابل نمی روی   گریہ ہنوز دیدۂ حق ناشناس من

آبی بر آتشِ دلِ ما ہیچکس نزد   چندانکہ پیش محرم و بیگانہ سوختیم

گل گل رخت ز دیدۂ نمناکِ من شگفت   گلزار حسنت از نظرِ پاک من شگفت
خوں میچکد ز داغ گل و لالہ در چمن   گویا ہمیں دم از دلِ صد چاک من شگفت

باہم نشست و زمزمۂ صور شد بلند   صد تیرہ در جوانیِ ما نور شد بلند
گلبانگ میفروش بدرد یکشاں رسید   پنداشتی کہ زمزمۂ صور شد بلند
تا روی بستہ بود دمِ خلق بستہ بود   ایں غلغل از نظارۂ منصور شد بلند
معشوق در کنار دہد روشنی بدل   زاں آتشم چہ سود کہ از دور شد بلند
آں روز نقد ہستیِ ما صرف بادہ شد   کز طرف باغ طارم انگور شد بلند
شکر مشو کہ از کہ دیوار دیدہ ام   آں روشنی کہ از شجر طور شد بلند

دلم صد پارہ و نقش تو بر ہر پارہ دارم
ز چاک سینہ در ہر پارہ نظارہ دارم

دست تهی اگر همه تعویذ دوستیست در گردن مراد حمایل نمی شود

خوبی همین کرشمه و ناز و خرام نیست
بسیار شیوه هست بتان را که نام نیست

گردم ز آستان تو بردند عاشقان این خاک بین که مرتبهٔ توتیا گرفت

شبانه می زده ماه من چنین پیداست نشان باده است از لعل آتشین پیدا
بگو که بر دل گرمم که دست داشته که داغ تازه است از چاک آستین پیدا

شب است و باده جو یا ساقی ایاغ کجاست
چه تیرگی است درین انجمن چراغ کجاست

مجاوران سر کوی یار سر بخشند خورند زهر و بخلق خدا شکر بخشند
اگرچه یک هنرم هست صد هزار عیب امید هست که عیبم باهل هنر بخشند

نه قرار بر دل من نه بزلف یار گیرد بکجا روم ندانم که دلم قرار گیرد

سفینۂ شیخ علی حزیں

ہر شاخ گل ز کنج کلیسے میدہد نشاں　　یاران رفتہ را بجہان نام پارہ شد

بیا کہ ساقی ما بادۂ طہور دہد　　ندیم بزم ندائے ہو الغفور دہد

ترسم کہ خود پرست شوی آفتاب من　　گر گویمت کزاں رخ دیبا چہ دیدہ اند

سحر فغان من آں بہ زرق یار شنید　　شکایتے کہ از و داشتم تمام شنید
زبان دشمنی و تیغ دوستی گفتم　　عیان نگشت کہ خود رائے من کلام شنید

بہ بستر افتم و مردن کنم بہانۂ خویش　　بدیں بہانہ گزارمت بخانۂ خویش

بسوئے صبح دم نالاں بگلگشت چمن رفتم
نہادم روئے بر روئے گل و از خویشتن رفتم

صد سال گر وصال بود آرزو بجاست　　ایں درد جاں ستاں بدوا کم نمی شود
یارب چہ خیر میکنی اے بادشاہ حسن　　کز گرد جسر گہ تو گدا کم نمی شود

هرگز بوصلت ای گل رعنا نمی رسم
جائے رسیدہ کہ من آنجا نمی رسم

نخلِ قدش کہ از چمن جاں برآمدہ — شاخِ گلے بصورت انساں برآمدہ
جاں دادہ ام کہ گشت میسر وصال دوست — پیدا دراں خیال کہ آساں برآمدہ
مست مے شبانہ مہِ من زخواب ناز — باآفتاب دست و گریباں برآمدہ

مولانا کمال الدین ضمیری اصفہانی

در ہر شش مسائل رمل خاصہ در استخراج ضمیرہا بیعدیل بودہ حسب الحکم شاہ جنت مکان شاہ طہماسپ ضمیری تخلص نمودہ و پیش ازوے ایں تخلص را پسر ملا حیرانی ہمدانی اختیار نمودہ مشہور بود گفتند باوجود ضمیری ہمدانی چوں ضمیری تخلص می کنی۔ ملا گفت کہ چنداں شعر خوب بگویم کہ وے پائمال شود الحق چنیں شد و وی سوائے مثنوی ناز و نیاز و وامق و عذرا و خزاں و بہار و لیلیٰ و مجنوں و سکندر نامہ و جنت الاختیارات نہ دیوان دارد کہ ہر یک را نامے نہادہ گویند

اشعارش یک صد و سی ہزار بیت بنظر رسیدہ بود از انجملہ ایں است :-

حیرت زدہ را لذت دیدار نباشد　　زاں مانع نظارۂ من یار نباشد
فریاد ازاں لحظہ کہ درد دلم آں شوخ　　پرسد ز من و قوت گفتار نباشد

چو می بینم کسے از کوئے او دل شاد می آید
فریبے کاول از وے خوردہ بودم یاد می آید

لطفے نہ کردۂ کہ دلے شاد ازاں کنم　　بر من غمت چو زور کند یا د ازاں کنم

میرم ازیں خیال کہ قاصد بمن چرا　　ہر گہ کہ گفت نام تو در اضطراب شد

تا بودہ چشم عاشق در راہ یار بودہ
بے آنکہ وعدہ باشد در انتظار بودہ

گر نہ فریب وعدۂ روزِ جزا بود ز تو
سوئے بدن کہ آورد جان گریز پائے را

بی درد نگیرد دلت آرام ضمیری
چون باد ندانم چه دلست اینکه نداری

میخواست رستخیز ز عالم بر آورد   آن باغبان که تربیت این نهال کرد

صبا برهم زد آن زلف و دلم بر گردان گردد
چو آن مرغی که برهم کرده باشد آشیانش را

ای خوش آن منتظر وعدهٔ دیدار که تو   بر سرش آئی و از شوق ترا نشناسد

سفینهٔ شیخ العارفین شیخ علی حزین رحمة الله علیه

باہتمام
محمد ابوبکر خاں شروانی
دارالطبع جامعۂ عثمانیہ سرکارِ عالی